eISSN:2073-3674
pISSN:1991-7813

CC BY
OPEN ACCESS

صبیح رحمانی کا تنقیدی شعور

(’نعت رنگ‘ کے اداریوں کی روشنی میں)

Critical insight of Sabih Rehmani
(In the Light of Editorials of ‘Naat Rang’)

ڈاکٹر ابرار عبدالسلام، پروفیسر، صدر شعبہ اردو، ایمرسن یونیورسٹی، ملتان
Dr Abrar Abdul Salam, Professor,
Chairman Department of Urdu, Emerson University, Multan

ABSTRACT:

Hundreds of literary magazines have been published with reference to creative, analytical, and critical aspects of Urdu literature’s tradition which encompasses a period of more than a century. Many names come up with reference to na’at among these magazines. One such important name is ‘Na’at Rung’ also. ‘Na’at Rung’ is a unique literary magazine/ Research Journal regarding ‘na’atia adab’, wherein articles and creative writings about various aspects of na’at are published. The purpose of publishing this magazine/journal was to promote critical appreciation of na’at. Articles published in this journal are not only playing an important role in the promotion of critical appreciation of na’at but the editorials of this magazine/ journal’s editor, Sabeeh Rehmani, have an important value with reference to critical evaluation/ appreciation. Important discussions/debates with reference to critical appreciation of na’at are present in the editorials of 30 editions of ‘Na’at Rung’. Analysis of various aspects of these discussions/debates in the editorials of ‘Na’at Rung’, and the literary and critical intellect/wisdom of the magazine/journal’s editor, Sabeeh Rehmani, has been made in this research paper.

KEYWORDS: Sabeeh Rahmani, Naat, Criticism of Naat, Critical Consciousness, Naat Rang, Editorials, Imitationism, Criticism of Naat, Social Service

کلیدی الفاظ: صبیح رحمانی، نعت، نعت کی تنقید، تنقیدی شعور، نعت رنگ، اداریے، تقلید، نعت کی تنقید کی ضرورت، اہمیت، سماجی خدمت

صبیح رحمانی کے تنقیدی شعور کا بغور جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان کی تحریر، تقریر، مزاج، سوچ، فکر اور طرز عمل بلکہ ان کی زندگی کا ہر پہلو نعت کی تنقید و تفسیر سے عبارت ہے لہٰذا صبیح رحمانی کے تنقیدی رویوں کا احاطہ کسی ایک جہت یا پہلو سے کیا جانا مناسب نہیں کہ اس طرح ان کے تنقیدی رویوں کی صرف ایک جہت کی نقاب کشائی ہی ہو پائے گی چونکہ ان کے تنقیدی رویوں کی متنوع جہتیں ،پرتیں ہیں جو تمام ہی اہمیت کی حامل ہیں اور تفصیلی مطالعے کی متقاضی بھی اس لیے ان کے تنقیدی شعور اور وژن کا کلی احاطہ اسی صورت میں ممکن ہے جب ہم ان کی تحریرو تقریر اور عمل اور طرز عمل کا مجموعی انداز میں جائزہ لیں۔ ان کے فکروعمل میں موجود تنقیدی شعور کی ضو ان کی گفتگو، ادارت، انتظام، شاعری اور ثناخوانی سے مترشح ہوتی ہے لیکن ان کی تحریروں میں تنقیدی شعور کا یہ عنصر بڑے واضح انداز میں دیکھا جاسکتا ہے۔ انھوں نے تنقید نعت کی کوئی منضبط اور باقاعدہ کتاب تو تحریر کی نہیں البتہ نعتیہ ادب پر شائع ہونے والی مختلف کتابوں میں شامل مقدمات، ، پیش لفظ، دیباچے، تبصرے اور فلیپ ان کے تنقیدی شعور کا سراغ لگانے اور ان کا تنقیدی مقام متعین کرنے میں ہماری مدد کرسکتے ہیں (۱) بالخصوص 'نعت رنگ' کے اداریے تو باقاعدہ تنقیدی مضامین کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تحریروں کے اس غیر مربوط سرمائے کو مربوط انداز میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ یہاں ہم اپنے موضوع کو مزید سمیٹتے ہوئے صرف 'نعت رنگ' کے اداریوں تک محدود رکھنے کی کوشش کریں گے۔

'نعت رنگ' کے اداریے محض اداریے ہی نہیں بلکہ ایک طرح سے نعت پر تنقیدی مضامین اور کہیں کہیں مقالہ جات کی حیثیت بھی رکھتے ہیں۔ ان کا بغور اور بالاستیعاب مطالعہ نہ صرف نعت کے متنوع پہلوؤں اور جہتوں کی نشان دہی کرتا ہے بلکہ مسائل و مباحثِ نعت سے متعلق اہم سولات کی طرف بھی متوجہ کرتا ہے۔ مثلاً یہ کہ صبیح رحمانی کا نظریہء نعت کیا ہے؟وہ اسے اصناف شعر میں کیا درجہ دیتے ہیں ؟ان کے نزدیک نعت ہماری معاشرتی زندگی میں کیا تبدیلی لاسکتی ہے؟موجودہ سیاسی، سماجی اور تہذیبی صورت حال میں نعت ہماری رہنمائی کے لیے کیا کردار ادا کر سکتی ہے؟معاصر فکری انتشار میں نعت کس طرح سود مند ہو سکتی ہے؟ماضی میں نعت کی ادبی صورت کیا تھی؟حال میں کیا ہے؟ اور مستقبل میں اسے کس مقام پر ہونا چاہیے ؟نعت پر نقدو نظر کی ابتدائی صورتیں کیا رہی ہیں ؟تنقید نعت کا آغاز کب ہوا اور یہ ارتقاء کی کتنی منزلیں طے کرچکی ہے؟اور مستقبل میں نعتیہ ادب پر انتقادی سرگرمیاں کیا رخ اختیار کریں گی؟یہ سب وہ سوالات ہیں جو صبیح رحمانی کی تحریروں میں بالعموم

اور اداریوں میں بالخصوص اٹھائے گئے ہیں۔ ان سوالات سے بھی صبیح رحمانی کے تنقیدی مزاج اور شعور کو تلاشنے، پرکھنے اور سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور ان کا نقطہء نظر، وژن، مؤقف اور آدرش بھی سامنے آتا ہے۔

صبیح رحمانی کا تنقیدی سفر تین دہائیوں سے زائد عرصہ پر محیط ہے۔ (۲) یہ سفر 'نعت رنگ' کی صبر آزما اور کٹھن صعوبتوں کی داستان بھی ہے اور تنقیدِ نعت کی رفتارواطوار کا شاہد بھی اور مدیر کے ارتقاء پذیر ذہنی سفر کا حوالہ بھی۔ صبیح رحمانی نے جس زمانے میں تنقید نعت کی جانب اہلِ علم کو متوجہ کیا۔ اس وقت ناقدین کی اکثیریت تنقید نعت کے موضوع کو شجرِ ممنوعہ سمجھ رہی تھی۔ ان کے خیال میں نعت شعرِ عقیدت سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتی لہٰذاس پر تنقیدی عمل غیر ضروری، غیر مفید اور غیرادبی سرگرمی ہے۔ (۳)مزید یہ کہ ان کے عہد تک تنقیدِ نعت کے حوالے سے جو کچھ لکھا جاچکا ہے اسے اردو کی ادبی تنقید سے ہم آہنگ کرنا ممکن نہیں۔ اس وقت مغربی تنقید کا توذکر ہی فضول ہے، خود اردو کے بیشتر ناقدین ادبی تنقید کے طے شدہ فارمولوں اور دبستانوں کی سرحدیں عبور کرکے تنقید کی نئی دنیا میں قدم رکھ رہے تھے۔ دوسری طرف تنقید نعت تھی جو عقیدتوں کے محوروں، دل جوئیوں کے موسموں، مبصرانہ جائزوں اور محدود دائروں میں مقیداور محوِ سفر تھی۔ اس پرمذہبی متشدد عنصر مستزاد۔ ان حالات میں نعت کو تنقید کے عصری معیارات سے ہم آہنگ کرنا اوراسے ادبی تنقید سے قریب تر کرنا صبیح رحمانی کا کارنامہ تھا۔ صبیح رحمانی کا نقطہء نظریہ تھا کہ تنقید نعت کی تحریک کے سلسلے میں پہلا قدم کسی نے اٹھانا تو ہے پھر یہ کام وہ خود کیوں نہ کریں اور انتظارانتظار میں یہ وقت بھی ہاتھ سے جاتا رہا اور آنے والا وقت عصرِ حاضر سے نازک تر ہوا تو پھر مزید مشکل ہو جائے گی۔ ان کا خیال تھا کہ خلوص کی قوت اور عشق کا جذبہ جس بھی کام سے ہم آہنگ ہو جائے وہ ناممکن کو ممکن بناسکتا ہے۔ باقی رہا عقیدتوں اور دل جوئیوں کے رویے، اس پر نظر ثانی کروائی جاسکتی ہے۔ اس سلسلے میں ناقدین نعت کی رہنمائی اور ذہن سازی کی ضرورت ہے۔ اگر نعت کے ناقدین بلاسوچے سمجھے نعت گو شعرا کو کریکٹر سرٹیفکیٹ جاری کرنا بند کردیں اور نعت کو تنقیدی معیارات پر پرکھنا شروع کر دیں تو تنقید نعت کو اردو تنقید سے ہم آہنگ کرنے میں دیر نہیں لگے گی۔ اردونعت میں اتنی تخلیقی توانائی موجود ہے کہ اسے کسی بھی دوسری صنف کے مقابل رکھا جاسکتا ہے۔

یہاں قارئین کے ذہن میں یہ سوال جنم لے سکتا ہے کہ اس دور تک (نوے کی دہائی تک) تنقید نعت کے حوالے سے دوچارکام ہی سامنے آئے ہوں گے اور لکھنے والوں کا حلقہ بھی چند ناموں سے آگے نہ بڑھ پایاہوگا۔ ایسا ہر گز نہیں۔ اردو

میں جدید نعت کی روایت کا آغاز حالی سے ہوا، جسے شبلی نے 'سیرۃ النبی' میں پروان چڑھایا۔ تحقیق و تنقید میں شبلی نے 'سیرۃ النبی' میں تنقید نعت (سیرت) کا ایک حیران کن اور قابل عمل نمونہ پیش کیا۔ اقبال نے نعت کو ایک نیا رخ دیا۔ ان کے بعد مولانا ابوالحسن ندوی، مجید امجد، ممتاز حسن، حسن عسکری، ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، مرزا محمد منور، شمیم احمد، ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، افسر صدیقی امروہوی، عابد علی عابد، حمایت علی شاعر، حفیظ تائب، ڈاکٹر لطیف حسین ادیب، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ادیب رائے پوری، ڈاکٹر تحسین فراقی، ڈاکٹر خورشید رضوی، رشید وارثی، ڈاکٹر اسماعیل آزاد ، ڈاکٹر سید یحیٰ نشیط، ریاض مجید، ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق، جمال پانی پتی، ڈاکٹر شمس بدایونی، ، ڈاکٹر عزیز احسن، ڈاکٹر عاصی کرنالی، ڈاکٹر آفتاب نقوی، ڈاکٹر سراج احمد قادری، ڈاکٹر شبیر احمد قادری، ڈاکٹر افضال احمد انور، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، ڈاکٹر شمیم احمد گوہر، ڈاکٹر وحید اشرف کچھوچھوی، پروفیسر محمد اقبال جاوید، پروفیسر محمد اکرم رضا، نظیر لدھیانوی، نعیم صدیقی، اورراجہ رشید محمود وغیرہ کی تحریروں میں کہیں جستہ جستہ اور کہیں گہرے رنگ میں تحقیق و تنقیدکے نقوش اپنی جھلک دکھاجاتے ہیں۔ یہ وہ شخصیات ہیں جنھوں نے نعت کو تنقیدی انداز میں دیکھنے اور پرکھنے کی شعوری کوشش تو ضرور کی لیکن یہ تمام رویے، رنگ اور قرینے اپنی نوعیت میں انفرادی ہی رہے، باقاعدہ ایک رجحان یا تحریک کی صورت اختیار نہ کر سکے۔ صبیح رحمانی نے اس رجحان کو تحرک دیا اوراسے ایک تحریک میں منقلب کرنے کی کوشش کی گویا تنقید نعت ایک ٹھہرا ہوا، ساکن تالاب تھا جس میں کبھی کبھی تحرک کی لہریں نمودار ہوتی رہتی تھیں، صبیح رحمانی نے 'نعت رنگ' کے ذریعے اس میں تحرک کامستقل سامان فراہم کردیا۔

ہم سب بخوبی جانتے ہیں کہ ہر شخص کی اپنی ذہنی دنیا ہوتی ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ خارجی ماحول اپنے اثرات بالواسطہ بھی اور بلاواسطہ بھی ہر شخص پر مرتب ضرور کرتا ہے البتہ کوئی اس کے گہرے اثرات قبول کرتا ہے اور کوئی کم گہرے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی ماحول میں پرورش پانے والے ادیبوں کا خارجی رویہ دوسرے سے مختلف اور بعض اوقات متضاد بھی ہوتا ہے۔ میرؔ ، سوداؔ اور دردؔ کے شعری رویے اس کی بہترین مثال ہیں۔ معاشرتی صورت حال، زمانی تغیرات اور عصری ماحول یکساں ہونے کے باوجود تینوں شعراکا شعری رویہ ایک دوسرے سے مختلف ہی رہا۔ یہی صورت تنقید نعت کی بھی رہی۔ صبیح رحمانی کی تنقیدی فکر کو اسی تناظر میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جس ماحول میں صبیح رحمانی نعت پر تنقید کی ضرورت کا احساس دلارہے تھے، اس زمانے کی علمی اور فکری دانش تنقید نعت کے

حوالے سے معکوس رویہ ظاہر کر رہی تھی۔ صبیح رحمانی تنقید نعت کو ادبی شعور سے قریب کرنے کی بات کرہے تھے اور معاصرین اس عمل کے نتیجے میں مناقشوں کے جنم لینے کے اندیشوں کا اظہار کررہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب انھوں نے ڈاکٹر فرمان فتح پوری صاحب سے تنقید نعت سے متعلق خواہش کا اظہار کیا تو انھوں نے تنقید نعت کو نا مناسب طرز عمل اور مروجہ تنقید سے بلند و بالاکہتے ہوئے معذرت کرلی۔ (۴) یہی نہیں پاکستان ٹیلی ویژن کے ایک ادبی پروگرام میں جس میں ڈاکٹر اسلم فرخی، پروفیسر سحر انصاری اور ڈاکٹر آصف فرخی بھی شرکا میں شامل تھے۔ گفتگو میں صبیح رحمانی نے تنقید نعت کی اصطلاح استعمال کی تو پریشانی میں پروڈیوسر کو پروگرام روکتے ہوئے اس اسطلاح کے استعمال سے گریز کا مشورہ دینا پڑا۔ (۵) یہ تھا عقیدت کا وہ منظر نامہ جس میں صبیح رحمانی نے تنقید نعت کا باقاعدہ آغاز کیا۔

یہاں سوچنے کی ضرورت یہ ہے کہ اردو تنقید میں اس رویے نے جنم لیا ہی کیوں ؟اوراس کے اسباب کیا تھے؟ثانی الذکر سوال کا جواب تو سماجی، نفسیاتی اورمذہبی محرکات کا سراغ لگانے کے بعد ہی دیا جاسکتا ہے لیکن اول الذکررویے کا سبب غالباً ہمارا مذہبی ومسلکی رویہ بنا۔ ہم مذہب کے معاملے میں معروضی رویہ رکھنے کے عادی ہیں ہی نہیں اور نعت چونکہ مذہب سے جڑی ہوئی صنف رہی ہے اس لیے اسے بھی مذہب ہی کا ایک حصہ،جزو سمجھتے ہوئے تنقید سے بالاتر درجے میں رکھ دیا گیااور نعت کو شعرِ عقیدت قرار دے کر تنقید کے دروازے اس پر بند کر دیے گئے۔ غالباً یہی وجہ نعت کی بطورادبی صنف ترقی، شناخت اور فروغ میں حائل رہی۔ چونکہ نعت سے جڑے مذہبی حوالوں اور شخصیات نے اسے حساس نوعیت کا حامل بنا دیا تھا، اس لیے اردو تنقید اس طرف آنے سے کتراتی اور راستہ بدلنے میں ہی اپنے لیے خیر کے پہلو تلاش کرتی رہی اور اگر کبھی بہ امر مجبور ی اس طرف رُخ کرنا بھی پڑا توسرسری انداز اختیار کرتے ہوئے جان چھڑانے میں ہی عافیت سمجھی گئی۔ موضوعیت، تقریظ و تحسین کا انداز تو ہو سکتا ہے تنقید کا نہیں ۔ تنقید کا معاملہ تو معروضیت سے جڑا ہوتاہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ تنقید نعت کے ابتدائی دورمیں یہ رویہ سامنے نہ آ سکا۔ (۶)

نوّے کی دہائی سے قبل تنقید نعت کا رجحان قابلِ رشک نہیں رہا۔ اس عہد تک تنقید نعت کے حوالے سے دل جمعی سے لکھنے لکھانے کا رجحان خال خال ہی رہا۔ باقی رہا تحقیق و تنقید کا معاملہ تو اس میں اجتماعی عنصر مفقودرہا۔ اس عہد کے رسائل و جرائد کا مطالعہ کیجیے۔ ان میں شائع ہونے والے اکثرو بیشتر مضامین کی نوعیت بالعموم فرمائشی، تعارفی یا تقریظی ہی ملتی ہے۔ اس لیے اس عہد کے مضامین سے کسی گہرے

اور قابل قدر تنقیدی مطالعے کا مطالبہ بے سود ہے البتہ مضامین و مقالات میں کہیں کہیں تنقید ی اشاروں کی ایسی دبی دبی چنگاریاں بھی نظر سے گزرجاتی ہیں جو قارئین کو چونکانے کاسبب بھی بنتی ہیں اور نعت کے لیے ایسی ٹھوس بنیادیں بھی فراہم کرتی ہیں جن پر تنقید نعت کا قصرِ عالی تعمیر کیا جاسکتا تھا لیکن اس طرف اردو کے ادبی حلقوں نے سنجیدگی سے توجہ نہیں دی۔ اس سلسلے میں حسن عسکری کا تنقیدی بیانیہ خاص اہمیت کا حامل ہے۔(۷)

تنقید نعت کی متذکرہ بالا مجموعی صورت حال میں 'نعت رنگ' کا اجراہوا۔ (۸) صبیح رحمانی نے اس صورت حال میں نعت سے دلچسپی رکھنے والے افراد کو اس رسالے میں اکٹھا کیا۔ ان کی ذہن سازی اور سمت نمائی کرتے ہوئے تنقیدِنعت کی اہمیت اور افادیت پر روشنی ڈالی۔ نعت کے موضوعاتی اور فنی مسائل کی طرف اہلِ قلم کو بطورِ خاص متوجہ کیا اور تنقید نعت کی دعوتِ فکر دی۔ تنقید نعت کے حوالے سے پیدا شدہ خوف دور کیا، نئے مکالمے اور مباحثے کو رواج دیا۔ اس فن پر دل چسپی کا سامان فراہم کیا اور ناقدین کی ذہن سازی ساتھ یہ سمجھانے اور قائل کرنے کی کوشش کی کہ نعت بھی ادب کا ایک بڑا اور اہم موضوع ہے جسے محض مذہبی یا اعتقادی صنف کا لبادہ اڑھاکر نظرانداز کردیا گیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اب اس غلطی کا مداوا ہوناچاہیے اور نعت اور تنقید نعت کے حوالے سے معذرت خواہانہ رویہ ترک کرتے ہوئے خالص ادبی معیارات پر اس اہم ادبی سرمائے کو پرکھا جاناچاہیے۔

ناقدین کی ذہن سازی کے بعد دوسرا بڑا کام ناسازگار حالات کو سازگار بنانے کا تھا تاکہ سازگارماحول میں آسانی اور آزادی کے ساتھ نعت کی درست سمت میں ترویج واشاعت ممکن ہوسکے اور تنقید نعت کا عمل روایت اور جدید تنقید ی فکر و عمل کی روشنی میں فروغ پاسکے۔ اس کے لیے انھوں نے 'نعت رنگ' کا پلیٹ فارم استعمال کیا۔ ناقدین کو لکھنے کی دعوت دی۔ نئے نئے موضوعات، گوشوں اور پہلوؤں پر مضامین لکھوائے۔ نعتیہ ادب کے حوالے سے اختلافی آراء اورحساس نوعیت کے حامل نزاعی مضامین بھی اس مجلے میں شائع کیے تاکہ ناقدین کے مابین مکالمے کی فضا جنم لے سکے۔ جس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ نعت سے متعلق مختلف نقطہ ہاے نظر رکھنے والے ناقدین کی تحریریں سامنے آئیں۔ اختلافی مضامین سامنے آنے لگے جن کا جواب رد کی صورت میں سامنے آیا اور پھر جواب الجواب کا مرحلہ آیا۔ یہ مرحلہ مضامین و مقالات کی صورت میں بھی سامنے آرہا تھا اور مراسلات کی صورت میں بھی۔ (۹)اس طرح مختلف الخیال دانشوروں اور ناقدین کے درمیان مکالمے کی راہ ہموار کی

گئی تاکہ تنقید نعت کا سفر نئے نتائج اور حاصلات کی روشنی میں ارتقائی منزل کی طرف رواں دواں ہو۔

اس ساری صورت حال میں مدیر نعت رنگ نے اپنی آنکھیں اور ذہن دونوں کھلے رکھے مبادا فکری اختلاف، ذاتی اختلاف میں مبدل ہوجائے اور مکالمہ، مجادلے یا مناظرے کی صورت اختیار کر جائے۔ (۱۰) اس طرح نعت کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل مقالات سامنے آئے، مختلف موضوعات پر منضبط کتابیں تحریر میں آئیں، سندی اور غیر سندی مقالات لکھے گئے۔ کتابیں مرتب ہوئیں۔ تنقید نعت کی وہ صورت حال جو نوے کی دہائی سے قبل بالعموم تعارفی اور عقیدتی نوعیت کی حامل تھی اب وہ اپنے پورے وجود کے ساتھ تنقیدی رنگ ڈھنگ میں ڈھلتی جارہی تھی جو اس بات کی غمازی کررہی تھی کہ اب تنقید نعت جذباتی فضا سے نکل کر ذہنی، منطقی اور تجزیاتی دائرے میں قدم رکھ چکی ہے۔ اس صورت حال نے تنقید نعت کو نئے ذہن، نئی سوچ اور نئی فکر کا حامل نیا شعور دیا۔ یہ شعور کوئی دوچار روز کا پیدا کردہ نہیں تھا، اس کی پشت پر تین دہائیوں سے زائد عرصے کی محنت کام کررہی تھی۔ صبیح رحمانی کا یہ وہ کارنامہ ہے جسے تنقید نعت ہی نہیں اردو تنقید کی روایت اور تاریخ میں بھی یاد رکھا جائے گا۔

صبیح رحمانی تخلیق نعت اور تنقید نعت کے ادبی فروغ کے لیے جوسازگار ماحول پیدا کرنا چاہتے تھے اور ان کی مسلسل محنت اور کاوشوں کے نتیجے میں وہ سازگار ماحول پیدا ہوا بھی جس کا ثبوت 'نعت رنگ' کے تیس شماروں کی اشاعت اور ان میں شامل سینکڑوں مضامین و مقالات، نعت ریسرچ سنٹر سے ایک سو سے زائد کتب کی اشاعت اور ملکی اور بین الاقوامی سطح پر نعتیہ رسائل و جرائد کا اجرا اور کثیر کتب کی اشاعت اوراب اردو ادب پر منعقد ہونے والی ملکی وبین الاقوامی کانفرنسوں میں نعت پر منعقدہ گفتگو کے پروگراموں کا تسلسل بھی صبیح رحمانی کی تشکیل کردہ ساز گار فضا کا ثمر ہی توہے جس کی آبیاری میں تین دہائیوں سے زائد عرصہ کی طویل محنت، مشقت اور مجاہدہ کام کررہا تھااور یہ سب کچھ ان کی مدیرانہ صلاحیت اور تنقیدی شعور کی طویل منصوبہ بندی کی بدولت ہی وجود میں آیا۔

تنقید نعت کی قبولیت کی فضا قائم کرنے کے بعد صبیح رحمانی کا اگلا پڑاؤ تنقید نعت کے سلسلے میں فکری رہنمائی اور سمت نمائی کاآیا۔ ان کے تنقیدی افکار کی روشنی معاصرنعت گو شعراکے نعتیہ مجموعوں پر ان کے دیباچوں یا فلیپ سے چھن چھن کر آرہی تھی یا ان کتابوں سے جو انھوں نے اردو شاعری کی بڑی آوازوں (غالب، محسن ، اقبال اور احمد رضا خان،) یا ان کی دیگر مرتبہ کتابوں کے مقدموں سے

حاصل ہوتی ہے۔ ان تحریروں میں ان کی تنقید کی نظری صورتوں کے علاوہ عملی کاوشیں بھی سامنے آتی ہیں لیکن تنقید نعت کے قارئین بہتر جانتے ہیں کہ ایسی تحریروں میں تنقید کی وہ منضبط صورت سامنے نہیں آتی جو کسی تنقیدی کتاب یا بطور خاص تحریر کیے گئے تنقیدی مضامین میں دیکھنے میں آتی ہے۔ تنقید نعت کی یہ مربوط صورتیں بالخصوص ان کی ان تحریروں میں سامنے آتی ہیں جو 'نعت رنگ' میں اداریوں کی صورت میں لکھی گئیں۔ متذکرہ کتابوں میں تو ان کی تنقیدی فکر جھلک دکھا کر غائب ہو جاتی ہے لیکن اداریوں میں ان کے تنقیدی خیالات کی وہ مسلسل رو موجود ہے جو ان کے تنقیدی افکار پر روشنی ڈالتی ہے، ان کے تحریکی مقاصد کی نشان دہی کرتی ہے اور نشانِ منزل کا پتہ بھی دیتی ہے۔ غرض یہ کہ ان کی تنقید کے تاروپود یا تنقیدی نظام کا ڈھانچہ بھی انھی اداریوں سے سامنے آتا ہے۔ ذیل میں ان کی تنقید کے اسی پہلو ، گوشے پر توجہ کا ارتکاز رہے گا۔

صبیح کے تنقیدی خیالات پر روشنی ڈالنے سے پہلے یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ یہ مقالہ صبیح رحمانی کی تنقیدی فکر کو کسی نئے دبستان تنقید سے منسوب کرنے کی کوشش نہیں اور نہ ہی ان کی تنقیدی تحریروں میں کسی ایسے تنقیدی نظام کو تلاشنے کی ضرورت ہے جس کی بنا پر ان کی تنقید کو کسی نئے تنقیدی ڈھانچے کی صورت میں پیش کیا جائے اور یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ وہ کسی ایک نظام خیال یا دبستان تنقید (سے متاثر یا معتقد) کے مجہول نمائندہ بن کر بھی سامنے نہیں آتے بلکہ ان کے ہاں اخذو قبول اور رد وتردید کا اپنا زاویہ نظر یا نقطہء نظر ہے جس کے سوتے ان کی بالیدہ فکر، مشرقی تہذیب اور مذہب کے زندہ عناصر سے پھوٹتے ہیں۔ مشرق یا مغرب کی کوئی فکر جو ان کے اس نظام سے مطابقت رکھتی ہے وہ اسے بآسانی قبول کرکے اپنے نظام تنقید کا حصہ بنا لیتے ہیں اور جو فکر اس سے مطابقت نہیں رکھتی اسے رد کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگاتے۔

صبیح رحمانی کی تنقیدی فکر جن بنیادوں پر استوار ہے ان میں غیر جانبداری، سنجیدگی، متانت، احتیاط، توازن، لچک دار اور ہمدردانہ رویہ، روشن خیالی، روایت سے وابستگی، تہذیبی اقدار سے آگہی، استدلال، علمی اور تہذیبی رویہ، انسان دوستی اور جمالیاتی بصیرت بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔ انھی بنیادوں پر ان کی تنقید کا ایوان ایستادہ ہے۔ ذیل کا اقتباس ملاحظہ فرمایئے۔ اس میں صبیح کی تنقید ی اساس پر روشنی پڑتی ہے۔

''ادبی تنقید اور خصوصاً نقدِ نعت میں یہ بات بھی لازماً یاد رکھنی چاہیے کہ یہ فکر و نظر کو روشن کرتی ہے اور ذہنوں کو کھولتی ہے۔ اس لیے اس میں لہجے اور اندازِ بیاں

کو خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ یہ چوں کہ فکر و فہم کے راستے وا کرتی ہے، اس لیے ہمیشہ دلیل کے ساتھ آتی ہے۔ تنقید کو فتوے کا انداز ہر گز اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ فتووں کا طریقہ اور زبان دونوں الگ ہوتے ہیں اور ادبی تنقید کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ تنقید کا مقصد بہتر تفہیم اور نئے زاویے کی تلاش ہوتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ وہ علمی انداز اور تہذیبی رویہ اختیار کرے۔ اس میں سنجیدگی، ذمہ داری اور متانت سے اظہارِ خیال کیا گیا ہو۔ مہذب انداز میں، دوستانہ طریقے سے اور ہم دردانہ مزاج سے اپنی رائے اور خیال کو اجاگر کیا گیا ہو۔ تنقیدِ نعت کے لیے تو یہ سب لازمے تقاضے ہیں۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص صرف استرداد کا رویہ اختیار کرتا ہے اور شدت پسندی کے ساتھ رائے دیتا ہے اور عمومی انداز میں بیانات جاری کرتا ہے تو چاہے وہ کتنا ہی عالم فاضل کیوں نہ ہو، ادب و نقد میں اس کی بات کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ اگر ادبی تقاضے پورے نہ ہوں تو کوئی خیال، کوئی رائے، کوئی نظریہ، کوئی تصور اور کوئی فکر ادب و نقد میں جگہ ہی نہیں پا سکتی۔ (۱۱)"

متذکرہ بالا پیراگراف میں صبیح نے ایک ہی پیراگراف میں بہت کچھ کہنے کی کوشش کی ہے جس میں ان کی تنقید ی فکر کے وہ عناصر سامنے آتے ہیں جنھیں وہ تنقید میں ضروری خیال کرتے ہیں۔ یہ ہی نہیں کئی مقامات پر انھوں نے تنقید کے اصولوں پر روشنی بھی ڈالی ہے۔ ان تمام خیالات سے ان کی تنقید کا محتاط، معتدل اور لچک دار رویہ سامنے آتا ہے۔

صبیح رحمانی ادب کی سماجی اہمیت اور کردار سے ناآشنا نہیں۔ ان کے نزدیک ادب زندگی کو اورزندگی ادب کومتاثر کرتی ہے۔ ادب کا ایک رویہ مقامی ہوتا ہے اوردوسرا آفاقی۔ ادیب کو اپنے مقامی رویے کو اس آفاقی رویے سے جوڑنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے جہاں وہ ایک اکائی میں ڈھل رہی ہو۔ تنقید لکھتے ہوئے صبیح خود بھی اسی رویے کو تلاشنے کی کاوش کرتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ ایک مسلمان خاتون کی انگریزی نعت پیش کرتے ہیں تو زندگی کی دھڑکنوں کو سنتے بھی ہیں۔ یہی صحت مند رویہ ہے۔ (۱۲)

صبیح رحمانی بہ اداریوں میں بہ تکرار اس امر پر زور دیتے ہیں کہ نعت کو بھی اور تنقید نعت کو بھی اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے نبھاناہوں گی۔ آج کا معاشرہ ماضی کا سادہ معاشرہ نہیں رہا۔ آج کے مسائل ماضی کے مسائل سے مختلف اور پیچیدہ ہیں۔ صنعتی ترقی، سائنسی ارتقاء، ٹیکنالوجی اور سوشل میڈیا نے کائنات کو سمیٹ کر ایک گلوبل ویلج میں تبدیل کر دیا ہے۔ دہشت گردی، انتہا پسندی، وجودی تنہائی، باطنی

بے چینی، ناآسودگی، فکری انتشار، معاشرتی انتشار، سماجی ٹوٹ پھوٹ ہمارے معاشرے کا حصہ بن چکی ہے۔ اس صورت حال میں نعت کو اپنا فریضہ اداکرنا ہو گا۔ نعت نگاروں کو ماضی میں جینے کی بجائے حال سے آنکھیں چار کرنا ہوں گی۔ اپنے گردو پیش پر نظر رکھنا ہوگی اور متذکرہ صورت حال کو نعت کا حصہ بنانا ہوگاچنانچہ تخلیقی وفور دو سطحوں پر اظہار پائے گا۔ ایک طرف نعت رسول اکرم ﷺ سے محبت کا اظہار ہوگا تودوسری طرف عصری صورت حال کاعکاس بھی۔ نعت کا یہی وہ فریضہ ہے جس کا نقطہء آغاز مسدس حالی سے ہوتا ہے اور پھر اقبال سے ہوتا ہواہم تک پہنچتا ہے۔ باقی رہا معاملہ تنقید کا تو تنقید نعت کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ نعت کے اس عالمگیر پیغام، پہلو یا جہت کو سامنے لائے۔اس کی دنیا کو اشد ضرورت ہے۔

صبیح رحمانی نعت کامطالعہ کرتے ہوئے اس میں زندہ عناصر کی تلاش پر اپنی توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ وہ زندہ عناصر جن سے نعت دورِ حاضر کی زندگی سے جڑتی ہوئی محسوس ہو۔ دورِ حاضر کی زندگی جن مسائل کا شکار ہے۔ انھیں تخلیقی کرب کے ساتھ نعت کاحصہ بننا چاہیے۔ اسی طرح نعت کی تخلیقی دنیا کومعاصر دنیا سے مضبوط رابطہ استوار کرنا چاہیے۔ اسی صورت میں نعت عہد حاضر کی زندگی کا معتبراور زندہ حوالہ بن سکتی ہے۔ جدید نعت نگاروں کا مطالعہ کرتے ہوئے وہ اسی جہت کو تلاشنا اور روشناس کروانا ضروری سمجھتے ہیں۔

'نعت رنگ' کی مقبولیت کے باعث ہمیں ہندوستان، مشرق و سطی، یورپ اور شمالی امریکہ میں رہنے والوں کی جونعتیں مو صول ہورہی ہیں ان میں ان کی زندگی میں مسائل کی نمودبہت نمایاں ہے جس کی طرف اب تک توجہ نہیں دی گئی۔ ہم ان علاقوں میں لکھی جانے والی نعتوں کے نقوش آپ کے سامنے پیش کریں گے اور یوں نعت کے نئے موضوعات کو سمجھنے میں مد د ملے گی۔ ہم نے جوتر جمے پیش کیے ہیں ان کا مطالعہ یہ بات آپ پرواضح کرسکتا ہے۔ ہشام علی حافظ کی نعت میں دیاررحمتہ للعا لمین کا تذکرہ جس طرح آیا ہے وہ ہمارے احاطہ فن وخیال سے مختلف ہے اسی طرح اس شمارے میں ایک مسلمان خاتون کی انگریزی نعت آپ ملا حظہ کریں گے اور گواہی دیں گے کہ یہ دھڑ کن ہماری مشترکہ دھڑ کن ہونے کے ساتھ ساتھ ایک انفرادی آہنگ بھی رکھتی ہے۔(۱۳)

انھوں نے تنقیدِ نعت کو ادب اور زندگی سے قریب ترکرنے کی راہیں تلاشی ہیں ۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ادب اور تنقید کی ترقی اور ارتقاء زندگی سے جڑنے میں ہی مضمر ہے۔ صبیح رحمانی کے نزدیک وہی ادب زندہ اور پائدار ہوتا ہے جس میں زندگی کی نمود ہو۔ غیر متحرک اور اپنے عصر سے کٹا ہوا ادب زندگی کی توانائیوں سے محروم

رہتا ہے۔ ادب کو اپنے عصر کا شعور ہونا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نعت کی تخلیق ہو یا تنقید زندگی گریز رویوں کی بجائے حیات افروز رویوں کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جب ان کی تنقیدی فکر ترقی پسند فکر سے ہم آہنگ ہوجاتی ہے۔

اس عہد کا نعتیہ ادب اتناہی زندہ اور متحرک ہے جتنا کہ دوسری اصناف ادب آج کا نعت گو مکمل عصری آگہی رکھتا ہے اور کرب ذات سے مسائل کائنات تک غور کرتا دکھائی دیتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ انسانیت کو درپیش مسائل کے حل کے لیے سیرت اطہر کو اس بے چین اور سکون کی طالب دنیا کے سامنے پیش کررہا ہے کہ یہی راستہ ہے جو نسل انسانی کی بقا اور فلاح کاراستہ ہے۔ مسائل کائنات سے نبرد آزمادنیا اسلام اور رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت سے متاثر ہو کردامن مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم میں پناہ ڈھونڈرہی ہے۔ ایسی صورت حال میں ادبی تنا ظرمیں نعتیہ ادب کا مطالعہ اس صنف سخن کے ساتھ ہی نہیں بلکہ پورے ادب کے ساتھ انصاف کے مترادف ہوگا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے نقاد، ہمارے اس گراں مایہ نعتیہ سرمائے کو انتقاد کی کسوٹی پر پرکھ کراس کے معنوی اور فنی پہلوؤں کو دیکھیں اور اس میں ہیئت کے تجربوں اور تازہ کاری کے رجحان کو نظر میں رکھ کراس کی صحیح قدر وقیمت کا تعین کریں۔ (۱۴)

وہ نعت سے معاشرے کی تعمیر کا بھی کام لینا چاہتے ہیں ۔ اسی طرح جس طرح اسوہء نبی پاک ﷺ سے انفرادی سطح پر بھی اور معاشرتی سطح پر رہنمائی لی جاسکتی ہے۔ یہی رہنمائی نعت سے بھی لی جاسکتی ہے۔ معاشرے میں باہمی یگانگت، بھائی چارہ، احترام آدمیت، انسان دوستی، امن، اور محبت، نعت کے ذریعے فروغ پاسکتی ہے۔ اور موجودہ صورت حال میں جب مغربی فکری یلغار اور رویوں نے اسلام کا حقیقی چہرہ مسخ کرنے کی منصوبہ بندی کر رکھی ہے اورمسلمانوں کو دہشت گرد بنانے کا پروگرام بنا رکھا ہے، ہمیں نعت سے یہ کام لینا ہوگا۔

صبیح رحمانی نعت کو فقط مسرت کے حصول کا ذریعہ نہیں سمجھتے بلکہ سماجی خدمت گزاری کا کام بھی لینا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک نعت فقط مدحت رسول ہی نہیں بلکہ بالواسطہ طور پر معاشرے کی اصلاح اور انسانیت کی فلاح کا ذریعہ بھی ہے۔ یہی وہ مقصد ہے جس سے اصلاح معاشرہ کا کام لیاجاسکتا ہے۔ (۱۵)

انسانی مزاج نثر سے زیادہ نظم سے اثر قبول کرتا ہے۔ نظم انسانی ذہن سے زیادہ جذبے کواپیل کرتی ہے۔ وہ اس کی باطنی صورت حال کو اپنی گرفت میں لے کر اس پر اپنا تصرف جمالیتی ہے۔ صبیح رحمانی کے شعور اور لاشعور کا مطالعہ کرنے سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ نعت سے وہ کام لینا چاہتے ہیں جو حالی نے مسدس سے لیا۔ درج

ذیل اقتباس کو ملاحظہ فرمایئے، اس میں صبیح رحمانی مسدس کی بجائے 'شاہنامہ ء اسلام ' کا ذکر کرتے ہیں لیکن اس سے بھی ہمارے موقف کو تقویت ملتی ہے کہ شاہنامہ بھی دراصل مسدس ہی کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

''ماہرین تعلیمی نفسیات نے زور دے کر کہا ہے کہ نثر کے مقابلے میں نظم اور نظم کے مقابلے میں مترنم طرز ادا کی تاثیر زیادہ ہوتی ہے۔ غالباً ''شاہ نامۂ اسلام'' کی تصنیف کی غایات میں سے ایک غایت یہ بھی تھی اور اسے شاعرِ ''شاہ نامۂ اسلام'' نے لکھا بھی ہے کہ تاریخ کو خشک سطروں کی بجائے ترنم سے سنا جائے تو یہ یاد بھی رہتی ہے اور اثر بھی دکھاتی ہے۔ اس تناظر میں سیرت کی تفہیم کے لیے نعت کے مترنم طرزِ ادا سے نئی نسل کی ذہنی تطہیر اور فکری تعمیر کا اہتمام ہم سب کے لیے آخرت کا زادِ راہ ثابت ہوسکتا ہے۔(۱۶)

ان کے خیال میں ادب کا قدم ہر لمحہ آگے کی طرف بڑھنا چاہیے۔ ماضی سے تعلق اور اخذ و استفادہ بھی حال کی بہتری اور مستقبل کی تیاری کے لیے ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ حال کی تعمیر ماضی کی بنیادوں پر ہی کی جاسکتی ہے۔ نیا کا مطلب ماضی سے جدائی یا بے تعلّقی نہیں اور ماضی کا مطلب روایت کی بے جاتکرار اوراندھی نقالی نہیں لیکن آگے بڑھنے اور جدت سے ہم آہنگ ہونے کے لیے تازہ افکار و خیالات کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اسے روایت کی توسیعی صورت ہونا چاہیے اگر تازہ افکارو خیالات کو روایت کے مزاج اور مناہج کا خیال کیے بغیر لادنے کے نتائج خطرناک ہو سکتے ہیں۔

اقبال کی شاعری تو کھوئے ہوؤں کی جستجو ہے۔ صبیح بھی اپنی تنقید میں شاندارماضی کے روشن لمحات سے کسب نور حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ نعت میں چونکہ رسول کریم ﷺ اور ان کے متعلقات کا تذکرہ ہے لہٰذا یہ مسلمانوں کا وہ شاندازر ماضی ہے جس نے ہر زمانے کو اپنے افکاو اعمال سے روشن کیا۔ وہ ماضی کو ناپسندیدہ اور فرسودہ نہیں سمجھے بلکہ ماضی کاہ وہ شاندار دور جو رسول اکرم ﷺ کا دور ہے وہ اسلام کا شاندار دو ر ہے وہ اس سے فیض حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

''وہ اپنے ماضی کے ان روشن لمحات کو ہمارے سامنے پیش کر رہے ہیں جو ذکرِ نبی کریم ﷺ سے منور ہیں۔(۱۷)

صبیح کے نزدیک عہد رسالت وہ شاندار دور ہے جوہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ وہ ماضی کو تاریک نہیں روشن سمجھتے ہیں اور ان سے اکتساب فیض کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی تنقید اور تحریروں میں اندھیروں کا مقابلہ کرنا، چراغوں کی روشنی، جیسی لفظیات ان کی روشن تنقیدی فکر کی عکاس ہیں۔

ہر زمانے کا اپنا سماج، مزاج اور ادب ہوتا ہے جس کی تشکیل و تعمیر میں اس زمانے کے محرکات اور اسباب و علل بنیادی کردارادا کرتے ہیں لہٰذا ہر زمانے کے ادب کو اسی زمانے کے تناظر میں سمجھا جاسکتا ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ ایک ہی سماج کے مختلف ادوار کو ایک ہی پیمانے سے ناپاجائے یا ایک ہی انداز میں سمجھاجائے۔ لہٰذا ادب کو اس کے سماج اور تہذیب و ثقافت جس میں اس نے تخلیقی صورت گری اختیار کی ہے، سے علیحدہ کرکے نہیں سمجھاجاسکتا چونکہ ادیب بھی اسی سماج کا پروردہ ہوتا ہے لہٰذااسے سمجھنے کے لیے بھی اسی سماج کی تفہیم کی ضرورت ہوگی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سماجی اور سائنسی تبدیلیاں سماج کو بدلنے اور اس کے مذاق کو تشکیل دینے میں معاون ہوتے ہیں۔ سماجی اور تاریخی صداقتیں پورے معاشرے پر اثر انداز ہوتی ہیں ۔ معاشرے کافرد ہونے کی وجہ سے انسان بھی ان اثرات سے متاثر ضرور ہوتاہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر سید محمد عقیل کے نزدیک تو سماج کی تبدیلی کے ساتھ مزاج اورمذاق ہی نہیں جمالیاتی نظریہ بھی بدل جاتا ہے۔ یہی سماج انسانی ذہن پر اثرات ڈالنے اور اسے بدلنے میں اہم کردار اداکرتا ہے۔ (۱۸)اس حوالے سے صبیح رحمانی کا بیان ملاحظہ فرمایئے:

ادب و تہذیب کے جملہ مظاہر انسانی فکر و شعور کا اظہار کرتے ہیں۔ تاہم اس امر کو بھی ہمیشہ ملحوظِ خاطر رہنا چاہیے کہ افراد کے فکر و شعور کی تشکیل و تعمیر میں ان کے انفرادی ذوق و جستجو کے ساتھ ساتھ ان کی اجتماعی، سماجی اور گروہی خواہش و کاوش کا بھی خاصا عمل دخل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ادب و تہذیب کا کام اپنے اظہار میں بے شک فردیت رکھتا ہے، لیکن اس کی صورت گری میں سماجی رجحانات اور گروہی رویے بھی ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ادیب، شاعر یا کوئی بھی تخلیق کار خلا میں جی سکتا ہے اور نہ ہی اپنے اظہار کی معنویت کا سراغ پاسکتا ہے۔ اسے اپنے معاشرے میں جینا ہوتا ہے اور یہیں اس کا فن جلا پاتا ہے اور معنویت سے ہم آغوش ہوتا ہے۔ (۱۹)

صبیح کے خیال میں معاشرے کومسلسل ترقی دینے اور فکری شعور کو ارتقائی سفر پر گامزن کرنے میں انسانی شعور بنیادی کردار ادا کرتا ہے ۔ یہ انسانی شعورمعاشرے کا ہی پیدا کردہ ہوتا ہے۔ ہر معاشرے کی ترقی کا راز ارتقاء پذیر قوتوں کے ہاتھ ہوتا ہے۔ اگر معاشرے سے ان قوتوں کو علیحدہ کرلیا جائے تو معاشرے کی ترقی ہی نہیں فکری ارتقاء بھی رک جاتا ہے۔

صبیح کے نزدیک معاشرے کی علمی و فکری سرگرمی اسی وقت ترقی کے قدم آگے بڑھاتی ہے جب وہ اپنی تہذیب و ثقافت سے جڑی ہوئی ہو جب تک معاشرے

کی جڑیں اس کی تہذیب و ثقافت میں گہری اتری ہوئی نہ ہوں اس وقت تک وہ معاشرہ ٹھوس بنیادوں پر استوار نہیں ہو سکتا۔ اس کے بغیر معاشرے کی بنیادیں کھوکھلی رہتی ہیں۔ وقت کی دوریاں ہوں یا فاصلے کی، تہذیبوں کے درمیان امتیاز کو جنم دیتی ہیں۔ یہ حقیقت ایک ہی تہذیب کو سمجھنے میں بھی معاون ہوتی ہے اور مختلف تہذیبوں کو سمجھنے میں بھی۔ اسی طرح دو مختلف تہذیبوں میں ترقی، ارتقاء کی رفتار ضروری نہیں یکساں ہو۔ اس کا دارومدار اس معاشرے کی تاریخ، علوم وفنون کی ترقی اور سیاسی صورت حال پر ہوتا ہے اور یہ سماجی حقیقتیں ہر معاشرے اور ہر دور کی علیحدہ ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو تہذیبیں ان حقائق کو سمجھے بِنا دوسری تہذیبوں کو اپنے دامن میں سمیٹنے پر تُلی ہوئی ہوں وہ اپنی غیر فطری سرگرمیوں کے باعث اکثر ناکام ہی رہتی ہیں۔ جن پر ہنس کی چال چلنے والے کوّے کی مثال صادق آتی ہے۔

یہاں ایک بات کی غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے کہ شاید صبیح رحمانی کے نزدیک معاشرے کی ترقی اور اس سے جڑے فکرو خیال کے سوتے صرف اسی وقت ترقی کے قدم آگے بڑھا سکتے ہیں جب وہ اپنے گرد بے لچک دیواریں کھینچ لیں اور اخذو قبول کے تمام راستوں پر قفل چڑھا لیں۔ ایسا نہیں ان کے خیال میں جس طرح ایک تناور درخت اپنی زمین میں اپنی گہری جڑوں کے ساتھ کھڑا ہو کر ہر طرح کے موسموں اور آفات کا مقابلہ بھی کرتا ہے اور ان سے اثرات قبول بھی کرتا ہے۔ اسی طرح تہذیبوں کو بھی ایک دوسرے سے فکر و خیال کی روشنی لینی چاہیے بس شرط یہ ہے کہ روشنی کا حصول اپنی تہذیب و ثقافت اور اقدار کی قیمت پر نہ ہو۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ فکر وخیال کی تبدیلیاں زمانی تبدیلیوں کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ فکرو خیال کی ہوائیں اپنے جلو میں تبدیلیوں کا سامان لے کر چلتی ہیں۔ ابر باراں کی طرح برستے ہوئے تمیز نہیں کرتیں کہ نیچے سمندر ہے یا خشک اور بنجر میدان، پہاڑ ہیں یا ریت کے ٹیلے۔ فرق اگر پڑتا ہے تو مزاج کے اثر اور نفوذ کی صلاحیت کا۔ جس معاشرے میں یہ صلاحیت زیادہ ہو وہ زیادہ انجذاب کرتا ہے اور جس میں صلاحیت یا ظرف کم ہو وہ اسی تناسب سے اثرات قبول کرتا ہے۔ (۲۰)

"میں سمجھتا ہوں کہ کوئی بھی بڑی علمی و فکری سرگرمی اس وقت تک نہ تو اپنے نئے رجحانات کے تعین میں کوئی مؤثر کردار ادا کر سکتی ہے اور نہ ہی عہد در عہد آگے سفر کر سکتی ہے، جب تک کہ وہ اپنی تہذیب و روایت کے مرکزی نکتے کو ہمہ وقت ملحوظِ خاطر نہ رکھے۔ یہ مرکزی نکتہ اسی صورت میں ہمہ وقت ملحوظِ خاطر رہ سکتا ہے کہ جب اسے نئے افکار و مباحث کے بدلتے ہوئے تناظر میں مسلسل تازہ کیا جاتا رہے، اور بار بار اس کی طرف توجہ دلائی جاتی رہے۔" (۲۱)

چونکہ ادب اپنے ثقافتی تناظر سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے اس میں جنم لینے والے خیالات، افکار اور اقدار اپنے اندر ثقافتی تناظر کا عکس لیے ہوتے ہیں۔ تہذیب و ثقافت اپنے خدوخال ادب کے آئینے میں ہی دیکھتی ہے اور ادب کی تہذیب و تشکیل کے تمام عناصر تہذیب و ثقافت میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔ معاشرے میں جنم لینے والے یا ادب میں اظہار پانے والے افکار و خیالات کا خمیر مقامی تہذیب و ثقافت کے خمیر سے ہی اٹھتا ہے۔ لہٰذا ہم مقامی ثقافتوں کی بو باس ادب میں محسوس کر سکتے ہیں ۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر تہذیب نئے خون کی متلاشی ہوتی ہے۔ یہ نیا خون تہذیبوں کے خدو خال نکھارنے اور ان میں زندگی کی حرارتیں پیدا کرنے کا ذریعہ بھی ہوتے ہیں۔ البتہ یہ اہم بات ہے کہ تہذیبوں کو ملنے والا نیا خون اس کے اپنے بلڈ گروپ سے مطابقت بھی رکھتا ہو اور ملنے والا نیا خون فاسد اور زہریلے مادوں سے بھی مصفا ہو۔ بصورت دیگر فائدے کے نقصان کا زیادہ احتمال رہتا ہے۔

مذہب تہذیب کا بنیادی عنصر ہے۔ اسے تہذیب سے الگ کر کے دیکھنا غیر فطری طرز عمل ہے۔ معاشرے کی کم و بیش تمام اقدار بالعموم مذاہب کی اخلاقیات سے ماخوذ ہوتی ہیں چنانچہ یہ کہنا بے جا نہیں کہ تمام اقدار کے سوتے مذہبی افکار و خیالات سے ہی پھوٹتے ہیں۔ یہی قدریں مذہب کے راستے تہذیب و ثقافت میں اور تہذیب و ثقافت کے راستے ادب میں داخل ہوتی ہیں۔ پھر انھیں خانوں میں بانٹ کر دیکھنا یا الگ الگ سمجھنا کیا سماجی حقیقتوں سے لاعلمی کی عکاس نہیں ؟ صبیح رحمانی اس حقیقت کو نظر انداز کرنے کے قائل نہیں۔ (۲۲)

جدید دور کی علمی اور فکری ترقی میں سائنسی علوم ہی نہیں سماجی علوم وفنون نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ سائنسی علوم نے انھیں تجزیاتی ذہن دیا۔ انھی علوم کی وجہ سے حقائق تک رسائی اور صداقتوں کا تعین اٹکل پچو یا قیاس آرائیوں کی بجائے سائنٹیفک انداز سے کیا جانے لگا۔ جس نے سائنسی سچائی کی بازیافت کا عمل سکھایا۔ سماجی علوم نے انسان اور انسانی معاشرے کے بہت سے پہلوؤں سے پردہ اٹھایا۔ انسان کی نفسیاتی گہرائیوں کا تجزیہ کیا۔ سماجی اثرات کا مطالعہ کیا۔ صبیح رحمانی سائنسی اور سماجی دونوں قسم کے علوم کی افادیت کے منکر نہیں ، معترف ہیں۔ ان کے نزدیک انسانی شعور کے ارتقاء میں سب سے بڑا ہاتھ ہی جدید علوم کا مرہون منت ہے۔

وہ جدید فکری خیالات کو مشرقی تہذیبی مزاج کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں اور اردو کی ادبی روایت سے ایک فطری رشتہ استوار کرنا چاہتے ہیں۔ یہی نہیں انھوں نے تنقیدِ نعت کو اکہری سطح سے محفوظ رکھنے کے لیے سماجی اور سائنسی علوم سے استفادے کا بھی مشورہ دیا۔ جس سے تنقید نعت وسعت آشنا ہوئی۔ اس طرح تنقید

نعت کا رشتہ پہلی مرتبہ معروضی فکر اور عصری دانش سے جڑگیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نعت کی تفہیم جوجدید ناقدین کے نزدیک فرسودہ اور گزرے وقت کی راگنی ہو کر رہ گئی تھی، نئے افکارو خیالات سے ہم آہنگ ہو کر حال سے مربوط ہو گئی۔

درج بالا سطور میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ صبیح رحمانی ادب کی صحیح پرکھ کے لیے دیگر علوم کی واقفیت کو ضروری خیال کرتے ہیں لیکن وہ ادب کو دیگر علوم کا بدل تصورہر گز نہیں کرتے۔ وہ ادب کو ان علوم و فنون کی ترازو میں نہیں تولتے۔ ان کے خیال میں علوم و فنون کو ادب کی تفہیم میں مدد دینی چاہیے لیکن ایسا نہ ہو کہ نقاد ادب کی تفہیم کو ثانوی حیثیت دے کر ان علوم وفنون کی دنیا میں کھوجائے یا ادب کو دیگر علوم و فنون کے لیے میدان جنگ بنادے اور نہ بقول وارث علوی اسے دوسرے علوم و فنون سے تھوک کے بھاؤ خریدی گئی نظریہ سازی بننا چاہیے کیونکہ وہ نظریہ سازی جو دوسرے علوم کی سرزمینوں میں پروان چڑھنے والے نظریے کا تناور درخت ادب کے گلدان میں لگانے کی کوشش کی جائے گی تو اس کا پاش پاش ہونا لازمی امر ہے۔(۲۳)

زندہ معاشرے میں مباحثوں اور مکالموں کو فروغ ملتا اور اظہار رائے کی آزادی ہوتی ہے۔ یہی حال ادب کا بھی ہے اور تنقید کا بھی۔ زندہ اور متحرک ادب جکڑبندیوں اور فارمولوں کا محتاج نہیں ہوتا۔ وہ ادیب جو فارمولوں میں مقید رہ کر ادب تخلیق کرتا ہے یا تنقیدی سرگرمی میں حصہ لیتا ہے وہ آزاد کہلائے جانے کا مستحق نہیں۔ فارمولہ سازی نے ادیب اور نقاد کی فطری آزادی چھین لی ہے۔ فارمولوں، نظریوں اور لگے بندھے سانچوں نے ادیب کو اپنا غلام بنا لیا ہے۔ پھر ہوتا یہ ہے کہ تنقید نقاد کے تجربے کا بیان نہیں بلکہ اس کے تعصّبات اور عقائد کاڈھنڈورا بن جاتی ہیں یا پھر علوم وفنون اور فلسفے اور منطق کی ایسی دیوار بن جاتی ہیں کہ قاری کی نظر اس کے پارفن پارے کو دیکھ نہیں سکتیں (۲۴) زندہ خیالات کو فروغ دینے، مکالمے کو آگے بڑھانے اور فکر و خیال کے منجمد تالاب میں تحرک کا باعث بننے والی تنقید ہی زندہ اورمثبت تنقید کہلاتی ہے۔ اس حوالے سے صبیح رحمانی کے درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

''نعت رنگ'' کے اجرا کے وقت سے لے کر آج تک میں نے ''نعت رنگ'' کو کسی مخصوص نقطۂ نظر کے نمائندہ رسالے کے مروّجہ اصول و ضوابط کا پابند نہیں رکھا۔ اس کا سبب صرف ایک تھا اور وہ یہ کہ اس انداز اور مزاج کے حامل نعت پر کئی جریدے شائع ہوچکے اور ہو رہے ہیں۔ میں نے ہمیشہ ''نعت رنگ'' کو ایک ایسی محفل بنانے کی کوشش کی ہے جہاں مختلف الخیال احباب اپنے اپنے مکتبِ

فکر و اندازِ نظر کے ساتھ شریک ہو کر ذکرِ نبی کریم ﷺ کے فکری، مذہبی، ادبی اور فنی پہلوؤں پر گفتگو کر سکیں، یہی نہیں بلکہ ادب کا عام مگر باشعور قاری بھی اس گفتگو میں اسی اہمیت کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کر سکے جس کا حق ہم صرف لکھنے والوں کو دیتے رہے ہیں۔ ایک ایسے فورم پر جہاں اظہارِ رائے کی آزادی ہو وہاں مباحث کا دائرہ صرف فکری، ادبی، اور فنی نہیں رہتا بلکہ کہیں کہیں اور کبھی کبھی مسلکی اور فقہی بھی ہو جاتا ہے۔ میرے خیال میں ایسا ہونا کوئی بری بات نہیں ہے کہ یہ چیزیں بھی ہمارے لیے معنی رکھتی ہیں اور ہم اپنے نظریات کو اسی روشنی میں واضح کرتے ہیں۔ (۲۵)

''اگر آج ہم نعت کے ادبی ' فکر ی اور فنی پہلوؤں پر گفتگو کو رواج دینے میں کامیاب ہوگئے تو کل نعت اور نعت نگا روں کو ادب اور تاریخ ادب میں ان کا جائز مقام مل جائے گا۔اس صورت میں فائدہ یقینا نعت نگا روں کو ہو گا۔''(۲۶)

''نعت رنگ'' کی ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ ہم نعت پر ہونے والی گفتگو اور اس ضمن میں چھڑنے والے مباحث کو اُمتِ مسلمہ کے مختلف مکاتیب فکر اور مسلک سے تعلق رکھنے والوں کے درمیان مکالمہ بنا سکیں۔''(۲۷)

صبیح رحمانی ادب یا تنقید میں اختلاف کو اہمیت دینے کے قائل ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اختلاف ہی سے فکری راہیں روشن ہوتی ہیں۔ وہ اختلاف رائے کو ایک مثبت رویہ گردانتے ہیں جس سے فکر کے نئے نئے زاویے سامنے آتے اور نئے نئے اظہار کا راستہ پاتے ہیں۔ (۲۸)اختلافِ رائے کوادب میں مثبت رویہ گردانا جاتا ہے۔ اس کے ذریعے فکر کے نئے پہلو سامنے آتے اور نئے زاویے اجاگر ہوتے ہیں۔ قلب و نظر میں وسعت اور معاشرتی ماحول میں رواداری اور وسعت قلبی جنم لیتی ہے۔ گویا یہ طرز عمل زحمت نہیں رحمت ہوتا ہے۔ اسلام نے بھی اس کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے اور معاصر عہد کے روشن خیال معاشرے بھی اس کی اہمیت کے معترف ہیں۔ ہمارے معاشرے میں ہی نہیں ادب میں بھی اختلاف رائے کو سخت ناپسند کیا جاتا رہا ہے۔ روشن خیال کہلانے والے ناقدین اور اچھے بھلے دکھائی دینے والے افراد بھی اپنی تحریروں اور تقریروں میں نامناسب رویہ برتتے نظر آتے ہیں۔ فراخ دلی سے دوسرے کی رائے کو سننا اور کھلے بندوں اعتراف کرنے کی روایت اور مثالیں ذرا کم ہی نظر آتی ہیں۔

صبیح رحمانی اپنے تنقیدی رویوں میں جہاں اختلاف رائے کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں وہاں اس بات کو بھی اہمیت دیتے ہیں کہ اختلاف کو اختلاف ہی رہنا چاہیے، اسے مخالفت نہیں بننا چاہیے۔ اگر اختلاف کو سامنے لانا ضروری بھی ہو تب

بھی اسے شائستگی اور تہذیب کو ہاتھ سے جانے دینا مناسب عمل نہیں۔ ردعمل جذباتی انداز میں نہیں بلکہ دلیل کے ساتھ آنا چاہیے کیونکہ اختلاف میں جاہل کی معاونت جذباتیت کرتی ہے اور عاقل کی استدلال۔ ایک کے پاس جذبات کی شدت ہوتی ہے اور دوسرے کے پاس استدلال کی قوت۔ (۲۹)

''نعت رنگ'' بنیادی طور پر ایک نعتیہ ادب و تنقید کا فورم ہے۔ یہاں ہر فکر و خیال کے لوگوں کو جو نعت اور آدابِ نعت اور تنقیدِ نعت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوں، خوش آمدید کہا جاتا ہے۔ کسی مسلک، کسی مکتب، کسی نظریے، کسی فلسفے اور کسی اسلوب کے تخلیق کاروں اور ناقدین کے لیے ہمارے ہاں نہ تو کوئی خاص رعایت اور نہ ہی کوئی پابندیاں۔ ہمارے ہاں اختلافِ رائے کو اہمیت دی جاتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ ادب وشائستگی کو ملحوظ خاطر رکھ کر کیا گیا ہو۔ نعت کی تخلیق اور تنقید آپ کا، میرا، ہم سب کا کام ہے۔ ہم سب کو اپنی اپنی جگہ اور اپنے اپنے انداز سے، لیکن پوری ذمہ داری، سنجیدگی اور متانت سے کام کرنا چاہیے تاکہ ہم اس نعتیہ تنقید کو سلیقے اور کامیابی سے آگے بڑھا سکیں۔ (۳۰)

جب اختلاف رائے فطری عمل ہے تو پھر اسے مخالفت کی آنکھوں سے دیکھنا مناسب عمل نہیں۔ مذہبی معاملات ہی نہیں ادبی تنقید میں بھی اکثر اوقات ناقدین کا رویہ ایک دوسرے کے بارے میں مخالفانہ، جارحانہ اور معاندانہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض تحریروں میں ناقدین شخصی سطح پر بھی اتر آتے ہیں۔ تنقید نعت کے سلسلے میں بھی کچھ آراء اسی طرح کی دیکھی گئی ہیں۔ نعت چونکہ رسول رحمت ﷺ کی تعریف و تحسین کے باوصف ایک مقدس صنف سخن کی حامل بن گئی ہے اس لیے اس پر تنقید نعت میں اسلوب شائستہ اور مہذب ہونا دوہرا ضروری ہے۔ ایک ادبی لحاظ سے اور دوسرا مذہبی لحاظ سے۔ اسی لیے صبیح رحمانی اداریوں میں ناقدین سے گزارش کرتے ہیں کہ انھیں اختلاف رائے کا تو حق حاصل ہے لیکن مخالفت پر اترنے یا احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دینے کا حق حاصل نہیں۔ غیر شائستہ اسلوب اختیار کریں یا شخصی بے عزتی کو اپنا شعار بنائیں۔ اگر کسی ناقد کو کسی دوسرے کا نقطہء نظر پسند نہیں تو اسے اختلاف رائے کی حدود کا خیال رکھتے ہوئے استدلال کے ساتھ مہذب انداز میں اپنا نقطہء نظر پیش کرنے کا جمہوری حق حاصل ہے اور یہ بھی حاصل ہے کہ وہ ان کے نقطہء نظر کو مکمل طور پر رد کردیں۔ اختلاف رائے یا آزادیِ اظہار سے یہ سمجھ لینا مناسب نہیں کہ کسی کی پگڑی اچھالی جائے یا اس پر لعن طعن کرکے اپنی دانست میں تنقید کا حق ادا کر دیا جائے۔ اس حوالے سے صبیح رحمانی کا بیان ملاحظہ فرمایئے:

''اس عرصے میں بعض ایسے مضامین و مقالات اور تجزیات سامنے آئے جن کے مطالعے میں یہ احساس شدت سے ہوا کہ اختلافِ رائے کے حدود کا قطعاً خیال نہیں رکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں جن معاصرین یا متقدمین کی آرا سے اختلاف کیا گیا ہے، ان کے لیے نامناسب رویے کا اظہار اختلاف کا نہیں، مخالفت کا واضح تاثر دیتا ہے۔ اختلاف کسی بھی رائے، خیال، فکر یا تصور سے کیا جاسکتا ہے، اور اس کے تقابل میں اپنی رائے یا خیال کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ یہ کام دلائل کے ساتھ ہونا چاہیے۔ محض کسی کو رد کر دینا یا پھر اس طرح کے کسی موقعے پر عمومی انداز کا مسترد کرنے والا لہجہ اختیار کرنا کافی نہیں ہوتا۔ بات میں وزن پیدا ہوتا ہے دلیل سے اور اس کو مستحکم کرتا ہے متبادل زاویہ، نیا خیال اور نیا بیانیہ۔ ایسا نہ ہو تو محض رد و مخالفت کا منفی احساس ہی سامنے آتا ہے جو نعت، ادب اور تنقید کسی کے لیے کارآمد نہیں ہوتا۔''(۳۱)

''اس وقت جب کہ نعتیہ تنقید اور مطالعات کا کام ادب کے مرکزی دھارے کا قابلِ قدر حصہ بن چکا ہے، نعت کے ناقدین کو یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ ادب میں ہر مکتبِ فکر کی اپنی ایک جگہ اور اپنی ایک حیثیت ہوتی ہے۔ کسی کو یکسر مسترد کرکے کوئی نیا خیال، کوئی نئی فکر یا کوئی نیا نقاد ادب و تنقید میں قطعاً اپنی جگہ نہیں بناسکتا۔ جگہ صرف اس صورت میں بن سکتی ہے کہ بے شک اختلافِ رائے کا اظہار کیا جائے، مگر تمام تر اختلاف کے باوجود دوسروں کی آرا، تصورات اور افکار کا احترام بھی کیا جائے۔ اس لیے کہ یہ آزادیِ اظہار کا بنیادی تقاضا ہے۔ ہاں، اختلافِ رائے کو سامنے لاتے ہوئے ضروری ہے کہ اپنے فکر و نظر پر توجہ مرکوز کی جائے اور اُن کی معنویت کو دلیل و برہان کے ساتھ شائستگی اور سلیقے سے پیش کیا جائے۔ نعتیہ تنقید کا فروغ صرف اسی صورت میں ممکن ہے، جب ان معاملات اور حقائق کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کام کیا جائے۔''(۳۲)

صبیح رحمانی اپنے اداریوں میں بار بار اس امر پر زور دیتے ہیں کہ نعت کا ایک مضبوط ادبی حوالہ ہے۔ اسے عرصہ دراز تک نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ اسی وجہ سے اس کے ادبی امکانات اپنے تمام و کمال کے ساتھ سامنے نہ آسکے۔ نعت کے ادبی حوالے اور تنقید نعت، اردو کی ادبی روایت کی دوڑ میں کہیں پیچھے رہ گئے ہیں۔ لہٰذا اسے تنقیدی اور ادبی روایت سے ہم قدم کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے ہمیں غیر جانبدارانہ اور بے باک رویہ اپنانا ہوگا۔ یہ تنقید کی حقیقی روح بھی ہے اور تنقید نعت کے لیے وقت کی ضرورت بھی۔ تنقید موضوعیت کو برداشت نہیں کرتی۔ نری

معروضیت جسے ایلیٹ نے شخصیت سے فرار کا نام دیا ہے، کو اپنا نا ہو گا اور تنقید کی بنیاد مفروضوں اور خیالی باتوں پر رکھنے کی بجائے شائستہ، علمی استدلال پر رکھنا ہو گا۔

"ہمیں کسی نقاد کی نیت میں کھوٹ تلاش کرنے کی بجائے اس کی اپنی رائے کو علمی استدلال اور شائستگی سے رد کرنے کی روایت کو مضبوط بنانا چاہیے کہ یہی تنقید کا مثبت اور صحت مند رویہ ہے۔ نعت کہنے، پڑھنے اور اس پر غورو فکر کرنے والوں کو ضرور احساس ہو گا کہ اب نعت کے ادبی پہلوؤں پر بے لاگ گفتگو کی ضرورت اپنی جگہ اہم ہے۔" (۳۳)

وہ ادب میں کسی ایک نظریے پر اصرار کو ضروری خیال نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک کسی ایک دبستان خیال سے چمٹے رہنے سے فکر کا دائرہ محدود ہو جاتا ہے جس سے ادب میں کٹر پسند رجحان جنم لیتا ہے اس کی حوصلہ شکنی ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر اعتدال پسندی کے رجحان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ لاحق رہتا ہے۔ سخت اور بے لچک رویوں سے ادب میں جمود کا عنصر تقویت پاتا ہے۔ جس سے ارتقاء کاسلسلہ رک جاتا ہے اور فروغ کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ ان کے نزدیک یہ رویہ جسے وہ غیر انسانی سمجھتے ہیں، ادب میں شدت پسندی کو ہوا دیتا ہے، اور ادب کا بنیادی تعلق تو انسان اور انسانیت سے ہی ہے۔ وہ اپنی رائے کو دوسروں پر مسلط کرنے کو درست نہیں سمجھتے۔ اپنا نقطہء نظر پیش کرنے میں ہر ادیب اور نقاد آزاد ہے۔ ان کے نزدیک سچا فن کار فطرت سے ہی نہیں ، ادب سے بھی آزادانہ طور پر اثرات اور کیفیات کشید کرتا ہے۔ چبائے ہوئے نوالے، چلتے ہوئے فقرے اور بندھے ٹکے اصول، ادب اور تنقید کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ یہ تقلید پرستی ہی کا ہی ایک روپ ہے۔

صبیح رحمانی کو نہ مشرق سے حذر ہے اور نہ وہ مغرب سے بے زار ہیں۔ وہ نہ مشرقی افکارو خیالات اور اصول و ضوابط کو حرف آخر سمجھتے ہیں نہ مغربی افکارو خیالات اور اصول و ضوابط کو حقیقی اور حتمی۔ لیکن ان دونوں کی اہمیت کے بھی قائل ہیں اور افادیت کے بھی اور دونوں سے بھرپور استفادے کو ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ ان دونوں میں توازن رکھنے کے قائل ہیں۔ جو ان کے متوازن اور غیر متعصبانہ رویے اور رجحان کی عکاس بھی ہے۔

صبیح ادب کو خانوں میں بانٹنے کے قائل نہیں، بلکہ ان میں مکمل ہم آہنگی کے قائل ہیں ، یہاں تک کہ وہ ادب اور تہذیب، اور ادب اور مذہب کو بھی علیحدہ جزیروں کی صورت میں نہیں دیکھتے اور نہ اس کی تفہیم کسی مخصوص دبستان تنقید سے کرتے ہیں۔ وہ تفہیم نعت کے سلسلے کسی مخصوص دبستان سے استفادہ کرنے

کے قائل نہیں بلکہ وہ فکری روشنی ہر اس مقام سے حاصل کرنا چاہتے ہیں جہاں سے اسے ملے۔ وہ حکمت کو مومن کا گم شدہ مال سمجھتے ہے کہ جہاں سے ملے لے لو البتہ خذ ماصفا و دع ماکدر کے اصول کو بھی ذہن نشین رکھتے ہیں۔ وہ ڈاکٹر عزیز احسن کی کتاب 'اردو نعت اور جدید اسالیب' کے فلیپ پر رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مجھے امید ہے کہ "اردو نعت کے جدید اسالیب" تازہ واردانِ بساط نعت کو نہ صرف شعر گوئی کا نیا شعور عطا کرے گی بلکہ اس کے مطالعے سے وہ اپنی تخلیقات کو جدید ادبی رجحانات سے بھی ہم آہنگ کر سکیں گے۔ علاوہ ازیں مطالعاتِ نعت میں ادب کے مغربی دریچوں سے آنے والی روشنی سے بھی جائز حد تک استفادے کے امکانات روشن ہوں گے۔"(۳۴)

صبیح رحمانی نعت کی تفہیم و تعبیر کے لیے بھی کسی ایک نظریے کو حتمی یاکافی نہیں سمجھتے اور نہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ کوئی ایک نظریہ نعت کی کلی تفہیم کا دعوی کرسکتاہے۔ جب انسانی ذہن اور شعور کسی ایک ہی حالت پر قائم نہیں رہتا بلکہ وقت گزرنے اور سماجی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ خود کو بھی بدل لیتا ہے جو اس کے ارتقائی سفر۔ ۔ ۔ تو پھر کوئی ایک خاص پیمانہ کس طرح حتمی تفہیم کا دعوی کرسکتا ہے۔ ان کے خیال میں فکر و خیال کی روشنی خواہ مشرق سے دستیاب ہو یا مغرب سے ہاتھ آئے، لے لینا چاہیے۔

وہ نعت کی تفہیم کے لیے انتخابی تنقید کی اصطلاح متعارف کرواتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ نعت کی معنوی، فکری اور لسانی پرتیں کھولنے اور ان کے تفہیم و تعبیر کے لیے جو دبستانِ تنقید یا مکتبہ فکر و خیال معاون ہوسکتا ہے، اسے استعمال میں لانا چاہیے خواہ اس کا تعلق انتقاد مشرق سے ہو یا مغربی تنقید کے جدید تصورات سے البتہ نعت کی تفہیم کے لیے وہ دو باتوں پیش نظر رکھنا ضروری سمجھتے ہیں ایک اقدار حیات اور دوسرا اسلامی روایت کا مطالعہ۔ نعت دیگر اصناف سخن سے مشترک صفات رکھنے کے ساتھ ساتھ متذکرہ دو خوبیوں سے بھی متصف ہے۔ اعلیٰ اقدارِ حیات سے اس لیے کہ نعت کا تعلق رسول پاک ﷺ کی تعریف و توصیف سے ہے اور رسول پاک ﷺ کی ذات جن اعلیٰ و ارفع اقدار کی امین ہے ان کی بنیادی روح کا سمجھنا انتہائی اہم اس لیے ہے کہ ان کی شان میں ذرہ برابر کمی بیشی دائرہ ایمان سے خارج کرنے کے لیے کافی ہےاور دوسری شریعت اسلامی کی حقیقی روح کی تفہیم۔ اور یہ دونوں خصوصیات دراصل ایک ہی سکے کے دورخ ہیں۔ اسلام کو سمجھنا ہو تو رسول پاک ﷺ کی سیرت اطہر کا مطالعہ کیا جائے

اور رسول پاک ﷺ کو سمجھنا ہو تو اسلامی شریعت کے بنیادی منبع قرآن پاک کا مطالعہ ضروری ہے۔ (۳۵)

نعت کی تنقیدی تفہیم کے لیے صبیح رحمانی نے جو تنقیدی پیراڈائم دیا ہے وہ کافی حد تک ڈاکٹر وزیر آغا کے امتزاجی تنقید سے مماثلت رکھتا ہے۔ (۳۶)

ماحصل:

مذکورہ بالا خیالات کی روشنی میں صبیح رحمانی کا جو نعتیہ تنقیدی وژن سامنے آتا ہے وہ ایک معتدل اور متوازن نقاد کا ہے، جن کی ذہنی اور قلبی کائنات میں وسعت بھی ہے اور کشادگی بھی۔ وہ اپنی تحریروں میں اپنا موٴقف مسلط کرنے کی کوشش کرتے نظر نہیں آتے اور نہ اپنی رائے سے مختلف یا مخالف کسی خیال یا موٴقف کو یک قلم مسترد کرنے کا جارحانہ رویہ اپناتے نظر آتے ہیں بلکہ ان کی تحریروں میں جو رویہ سامنے آتا ہے وہ سمجھانے اور قائل کرنے کا ہوتا ہے۔ وہ کسی خیال یا نظریے کا مطالعہ کھلے ذہن اور کشادہ دلی کے ساتھ کرتے ہیں۔ وہ مشرقی خیالات کے خوشہ چین بھی ہیں اور مغربی خیالات سے استفادہ کرنے میں بھی انھیں کوئی عار نہیں لیکن وہ ان خیالات کو اپنی زمین، تہذیب، اقدار، اور ادبی روایات سے جوڑ کر دیکھنے اور سمجھنے کے قائل ہیں۔ ادب میں جنم لینے والے تجربات کو بھی وہ ادب کا حصہ سمجھتے ہیں ۔ ان کے ہاں نئے نئے تجربات اگرچہ روایت سے انحراف کی صورت نظر آتے ہیں لیکن ایک سطح پر وہ پرانی روایت کی توسیع بھی ہوتے ہیں۔ یہ توسیع ان کے نزدیک زندگی کی علامت ہے،فرار یا بغاوت کی کارفرمائی نہیں۔

ان کی تنقید کسی ایک مقام پر ٹھہر نہیں گئی بلکہ ہمیشہ نئے نئے افکار و خیالات کی جستجو نے انھیں متحرک رکھا۔ وہ ٹھہرتا نہیں کاروان وجودکے مصداق، آگے بڑھنے اور نئی فکر کی روشنی کی تلاش میں رہتے ہیں۔ ان کے تنقیدی خیالات میں ارتقاء موجود ہے لیکن ان کی تحریروں سے یہ محسوس نہیں ہوتا کہ وہ اپنے بنیادی تنقیدی رویوں میں تبدیلی لارہے ہیں ۔ ان کے تنقیدی خیالات میں ارتقاء موجود ہے نہ کہ تضاد چنانچہ یہ تغیر دراصل اثبات سے پھوٹتا ہے۔ اس لیے ان کے ہاں اثبات اور تغیر دو مختلف و متضاد رویے نہیں بلکہ ایک دوسرے سے ہم آہنگ اور خوب سے خوب تر کی جستجو کا ہی ایک قرینہ ہے۔

اعتدال چونکہ ان کی شخصیت کا بنیادی وصف ہے اس لیے ان کی تحریروں میں احساس تفاخر کا رویہ سامنے آتا ہے نہ احساس کمتری کا۔ تاہم وہ کسی فکر سے مرعوب دکھائی نہیں دیتے۔ اگر کسی فکر میں زندہ عناصر موجود پاتے ہیں تو اسے اپنی فکر سے ہم آہنگ کرنے اور تنقیدکا حصہ بنالینے میں شرمندگی محسوس نہیں کرتے۔

بصورت دیگر اسے رد کرنے میں کسی پس و پیش سے کام نہیں لیتے۔ انھوں نے نظریہ سازی تو نہیں کی لیکن آئے دن ادب میں جنم لینے والے نظریات پر ان کی نظر رہتی ہے اور وہ ان نظریات کی خوبیوں اور خامیوں کا ادراک بھی بخوبی رکھتے ہیں ۔ افکار و نظریات سے اخذ و استفادہ اور انجذاب واتصال کے بعد انھی بنیادوں پر وہ نعت کے قارئین اور ناقدین کی سمت نمائی بھی کرتے ہیں۔ یعنی وہ اقبالؔ کے الفاظ میں "جلوتیان مدرسہ کور نگاہ ومردہ ذوق،خوتیان میکدہ کم طلب و تہی کدو" قسم کے (حامل) روایتی نعت گو یا ناقد نہیں بلکہ نعت کو خالصتاً ایک ادبی صنف سمجھتے ہوئے ادب ہی کی روشنی میں اس کا مطالعہ کرتے ہیں اور نعت کے قارئین کی سمت نمائی بھی کرتے ہیں۔ وہ خود احتسابی کا ہنر بھی بخوبی جانتے ہیں اور ان کی اسی خود احتسابی نے جو اداریوں میں سوالات کی صورت میں سامنے آتی ہے، انھیں نعت کے قارئین کے کٹہرے میں ہی کھڑا نہیں کیا، ضمیر کی عدالت میں بھی پیشیاں بھگتنے پر مجبور کیا ہے۔ اس رویے نے ان میں بے جاتفاخر پیدا کرنے کی بجائے خوب سے خوب تر کی منزلوں کی تلاش میں سرگرداں رکھا ہے۔

صبیح رحمانی کی کوششوں نے تنقید نعت کو ایک نئے افق سے روشناس کروایا۔ تنقید نعت کو ایک سپاٹ، بے لچک اور تقریظی فضاسے نکال کر ایک نیا اندازدیا جو رنگا رنگ بھی ہے، لچک دار بھی، تجزیاتی بھی ہے، فکری بھی۔ انھوں نے تنقید نعت کو جدید تنقیدی روشنی سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی جس میں وہ کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ صبیح رحمانی کے تنقیدی شعور کا حاصل، وہ معاصر تنقیدی اذہان ہیں جنھیں انھوں نے نعت شناسی کے سلسلے میں بیدار کیا ہے او ریہ وہی تنقیدی اذہان ہیں جنھوں نے 'نعت رنگ 'میں نعتیہ ادب کو تنقید کی کڑی کسوٹیوں پر اس طورپر کھا کہ نعت کا تخلیقی اور فنی حُسن نکھر کر سامنے آیا۔ جس کی وجہ سے تنقید نعت پر چھائے ہوئے خوف کے مہیب بادل بھی چھٹنے پر مجبور ہوئے اور تنقید نعت کی اصلاح کی طرف عوامی ہی نہیں ادبی ذہن بھی متوجہ ہوا۔ صبیح رحمانی نے تنقید نعت کو جو افق دیا تھا وہ ان کی کوششوں سے آفاق میں تبدیل ہوا اور یہی ان کی کاوشوں کا ثمر اور تنقید کا حاصل ہے۔

آلِ احمد سرور نے اچھی تنقید کی قدروں کو مہذب انسانیت میں تلاش کیا ہے۔ صبیح رحمانی کی شخصیت اور تنقیدی مزاج کو اسی جملے میں بخوبی سمجھاجاسکتا ہے۔ انھوں نے تنقید نعت میں آفاقی قدروں اور زندہ روایات کو تلاش کیا اور اور اسے موجودہ عصر کے ادبی اور تنقیدی رویوں سے ہم آہنگ کیا۔ اب نعت کو تخلیقی سطح پر کسی جواز کی ضرورت ہے اور نہ تنقید نعت کو کسی ادبی محاذ پر معذرت خواہانہ رویہ

اپنانے کی ضرورت۔ ان کی تنقیدی فکر سے اختلاف کیا جاسکتا ہے لیکن ان کی تنقید ی بصیرت اور تنقیدی کاوشوں سے انکار ممکن نہیں۔ ذیل میں صبیح رحمانی کے اقتباس پر اس مضمون کو مکمل کیا جاتا ہے۔ یہ 'نعت رنگ' کے ایک اداریے کا اقتباس ہی نہیں، صبیح رحمانی کے تنقیدی رویوں کا اظہار بھی ہے:

''یہ بات خاصی خوش آئند ہے کہ نعت کے ادبی فروغ کے لیے ''نعت رنگ'' کی بیس سالہ جدوجہد کے نتیجے میں نعت کی ادبی مقبولیت کا اب ایک ایسا ماحول بن گیا ہے کہ معاصر ادبی منظر نامے پر نعت کے تخلیقی وفور کی ایک تازہ لہر نظر آتی ہے جس میں اردو کے نامور شعراکے دوش بدوش نوآموز شعرا بھی نعت گوئی کو اپنے تخلیقی اظہار کا ذریعہ بنارہے ہیں۔ نعت رنگ میں تنقیدی مباحثوں اور مکالموں کے روشن ہونے سے آداب نعت گوئی کے باب میں شعراکا احساس ذمہ داری بڑھتا ہوادکھائی دیتاہے۔ نعت کو تنقیدی کسوٹی پر پرکھنے میں جو اندیشے مانع تھے وہ دورہوئے ہیں اور علمی، لسانی، عروضی اور تنقیدی زاویوں سے بے لاگ گفتگو کی ایک ایسی فضا قائم ہوئی ہے جس ادبی سطح پر نعت کی مقبولیت میں بتدریج اضافہ ہورہاہے نعت کو دانستہ یا نا دانستہ نظر انداز کرنے والے حلقوں میں بھی اس کو بطورِ صنفِ سخن دیکھنے اور اس کی اہمیت کوتسلیم کرنے کے آثار نمایاں ہونے لگے ہیں۔ اس عمل میں سرکاری اور غیر سرکاری دونوں طرح کے ادبی ادارے اب خاصے فعال نظر آرہے ہیں۔''(۳۷)

مندرجہ بالا مباحث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ صبیح رحمانی محض ایک نعت گو، نعت خواں اور نعتیہ ناقد اور صحافی ہی کا نام نہیں بلکہ ایک ادارہ، ایک تنظیم، ایک تحریک کانام ہے۔ جس نے نعت کی تخلیق، تحقیق اور تنقید کو انفرادی رجحان سے نکال کر اجتماعی روایت سے جوڑااور نعت جو ایک جزیرے کے موافق تنہائی کا شکار تھی اسے ادبی روایت سے جوڑ کر مجلسی بنادیا۔ اس کے لیے انھوں نے 'نعت رنگ' کا پلیٹ فارم استعمال کیا۔ اس مجلے میں صبیح رحمانی کے تنقیدی خیالات کا سب سے زیادہ عکس ان کے تحریر کردہ اداریوں میں دیکھاجاسکتا ہے۔ 'نعت رنگ' کے اداریے محض اداریے ہی نہیں بلکہ ایک بھرپور مقالوں کی حیثیت رکھتے ہیں ، جن میں صبیح رحمانی کا شعور نعت اور تنقیدی وژن مکمل طور پر اجاگر ہو کر سامنے آتا ہے۔ تنقید نعت کے ان مباحث کے ذریعے صبیح رحمانی نے نعت کو ایک زندہ، متحرک اور ادب کی جدید فکرسے قریب کرکے نئی سمتوں سے آشنا اور نئے آفاق سے روشناس کیا۔ ان کی کوششوں سے اب نعت کو محض تقدس کے ہالے میں لپیٹ کر دیکھنے کی بجائے خالصتاً ادبی اصولوں پر پرکھاجانے لگا ہے۔ اب نعت کی تنقید یعنی جانچ پرکھ کے لیے محض عقیدت اور جذبہ ہی نہیں بلکہ جدید ادبی، سائنٹیفک اور معروضی نقطہ ہاے نظر اور

زاویوں کو بھی بروئے کار لایا جانے لگا ہے۔ صبیح رحمانی کی ان کوششوں سے نعت ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اب ایک توانا ادبی صنف کے طور پر تسلیم کی جانے لگی ہے جس کی تفہیم کے لیے نئے اور پرانے تنقیدی اصولوں سے مدد لی جارہی ہے۔ اب تنقید نعت محض مشرقی اور روایتی اصو لِ نقد تک محدود نہیں رہی بلکہ متعدد مغربی تنقیدی افکار کی روشنی میں سامنے آنے والے مباحث کی وجہ سے اس میں اتنی ہی وسعت پیدا ہو گئی جتنی کہ خود اردو کی ادبی تنقید میں۔

حواشی وحوالہ جات

ا۔ صبیح رحمانی کی مرتبہ کتابوں میں 'اردو حمد کی شعری روایت، اردو نعت کی شعری روایت، کلام محسن کاکوری: ادبی و فکری جہات، اقبال کی نعت: فکرو اسلوبیاتی مطالعہ، پاکستانی زبانوں میں نعت:روایت و ارتقاء، نعت نگر کا باسی، غالب اور ثنائے خواجہ، کلام رضا، فکری و فنی زاویے، اردو نعت میں تجلیاتِ سیرت، ڈاکٹر عزیز احسن اور مطالعات حمدو نعت وغیرہ اہمیت کی حامل ہیں۔ ان کے علاوہ دو درجن سے زائد کتب میں ان کے تحریر کردہ مضامین و مقدمات شامل ہیں اور کم و بیش اتنی ہی تعداد میں انھوں نے کتابوں پر فلیپ بھی تحریر کیے ہیں۔

۲۔نعت اور نعتیہ ادب کے فروغ اور نعتیہ ادب کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھنے کے لیے صبیح رحمانی نے عزیز احسن اور انوار حسین صدیقی کے ساتھ مل کر ۱۹۹۵ء میں 'اقلیم نعت 'کی بنیاد رکھی اور اس ادارے سے ۱۸کتابیں شائع کیں۔ ۲۰۰۲ء میں 'اقلیم نعت ' کے تحت ہی 'نعت ریسرچ سنٹر کا قیام عمل میں لایا گیا جس کے مقاصد میں 'نعت رنگ' کی اشاعت کے بعد نعت شناسی اور نعت فہمی کے بڑھتے ہوئے شعور اور ذوق کو تعلیمی اداروں اور جامعات تک وسعت دینا تھا۔ اس سے قبل ۱۹۸۷ء کے آس پاس گل بہار نعت کونسل کراچی کی تنظیم کا حصہ بنے اور ۱۹۸۷ء میں گل بہار نعت کونسل کے زیرِ اہتمام پہلی لیلۃ النعت کانفرنس منعقد ہوئی جس کے نگرانِ اعلیٰ کے فرائض صبیح رحمانی کے سپرد ہوئے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے:(i) 'نعت رنگ' شمارہ نمبر ۲۱، ص ۱۲۔ ۱۱(ii)دیباچہ ڈاکٹر عزیز احسن اور مطالعات حمدونعت مرتبہ صبیح رحمانی، نعت ریسرچ سنٹر کراچی،اکتوبر ۲۰۱۵ء

۳۔اس حوالے سے صبیح رحمانی کا بیان ہے:"مسئلہ اصل میں یہ ہے کہ کہ مذہبی شاعری کو ہمارے ہاں محض عقیدے یا عقیدت کا معاملہ سمجھ کر الگ کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں عوام ہی کا نہیں بیشتر خواص کا تاثر بھی یہ ہے کہ وہ ایک خاص جذبے کی تسکین کا ذریعہ ہے اور بس۔ معنویت کی متنوع تشکیلات، ذہنی رجحان سازی اور تہذیبی طرزِ احساس کی تعمیر میں وہ کیا اور کیسا کردار ادا کرسکتی ہے، اس پر توجہ دینے کی

ضرورت ہمارے ہاں کم، بہت ہی کم محسوس کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقلیمِ نعت کے بلند پایہ شعرا محسن کاکوروی، کرامت علی خان شہیدی، مولانا حسن رضا خان، غلام امام شہید، بیدم شاہ وارثی، عزیز لکھنوی، اکبروارثی میرٹھی، امجد حیدرآبادی، تہذیب النسا بیگم، لطف بدایونی، سیماب اکبر آبادی، حمید صدیقی لکھنوی، احسان دانش، اقبال سہیل، طفیل ہوشیار پوری، ماہرالقادری، ضیاء القادری بدایونی، بہزاد لکھنوی، حافظ مظہرالدین، صوفی افضل فقیر، یزدانی جالندھری، عبدالعزیز خالد، مظفر وارثی، حنیف اسعد ی اور اعجاز رحمانی وغیرہم تک کسی کے فکر وں کا وہ تنقیدی اور تجزیاتی مطالعہ مرتب نہیں ہو سکا جو کہ ہونا چاہیے تھا۔ ایسا کوئی بھی مطالعہ نہ صرف اس شاعر کے کلام کی بہتر تفہیم کا ذریعہ بنا، بلکہ اس کے ذریعے ہمیں اپنے ادب و شعر کے رجحانات اور معاشرے پر ان کے اثرات کو بھی سمجھنے میں مدد ملتی۔ ص ۱۰۔ حرفِ آغاز، صبیح رحمانی، کلام محسن کاکوروی، ادبی و فکری جہات، مرتبہ صبیح رحمانی، اکادمی بازیافت کراچی، ۲۰۱۸ء

۴۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری صاحب کا بیان ہے : کسی نعت یا نعتیہ مضمون کے بارے میں حسن و قبح کے حوالے سے کسی طرح کا حکم لگانا مناسب نہیں ۔ ان نقطوں کا استعمال، نعت اور نعت کے مباحث میں میرے دائرہ ء خیال و قلم سے خارج ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے جن الفاظ و خیالات کی نسبت ہو جائے وہ میرے نزدیک تنقید مروجہ سے بلند و بالا ہوجاتے ہیں۔ " ((۱)نعت نامے بنام صبیح رحمانی، ص ۱۵۷(۲)ڈاکٹر عزیز احسن اور مطالعات حمد و نعت ص ۱۷)

۵۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی رائے بظاہر بڑی عجیب محسوس ہوتی ہے لیکن اس موضوع کی نزاکت اور معاشرتی صورت حال کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ پی۔ ٹی۔ وی کے ایک ادبی پروگرام میں جس میں اردو کے معروف ادیب بھی شریک تھے ، صبیح رحمانی نے تنقیدِ نعت کی اصطلاح استعمال کی تو پروڈیوسر کو پروگرام روکناپڑا اور سراسیمگی کے عالم میں کہنا پڑا کہ یہ پروگرام نعت کا ہے اس میں تنقید کا لفظ استعمال نہ کیا جائے۔ (دیکھیے: ڈاکٹر عزیز احسن اور مطالعات حمد و نعت، ص ۱۸)

۶۔ ان اسباب پر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے مفصل روشنی ڈالی ہے۔ ان کا بیان ہے : " نعت کی پذیرائی زیادہ تر دینی حلقوں میں ہوئی۔ اس لیے عام ادبی حلقے اسے دینی ادب کا حصہ سمجھ کر علما و صوفیاکے لیے خاص قرار دیتے رہے۔ چونکہ ادبی تخلیق میں مذہبی عنصر کے وجود کو بالعموم ہماری ادبی تنقید دوسرے درجے کی چیز سمجھتی رہی ہے اس لیے ادبی حلقوں میں اسے پذیرائی حاصل نہ ہو سکی۔ دوسری جانب دینی حلقے تھے۔ ان کے ہاں نعتیہ شاعری صرف وقتی آسودگی اور قلبی بے قراری کے لیے لمحاتی قرار کا باعث رہی۔ اس لیے ان کے ہاں بھی نعت کو مناسب مقام نہ مل سکا۔ نعتیہ شاعری کے فنی جائزے کے راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ خوش عقیدگی اور خوفِ فسادِ خلق بنی

کہ مقدس کلمات کو کس طرح نقد و نظر کے تختے پر چن دینے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماضی میں نعتیہ ادب کا باقاعدہ اور سنجیدہ فنی محاکمہ دیکھنے میں نہیں آتا۔ اس لیے جو رائے بھی قائم کی گئی وہ مفروضوں اور دل جوئیوں پر مبنی رہی۔ نعت کی شعری حیثیت کو خود نعت گو حضرات کے طرز عمل سے بھی نقصان پہنچا۔ شعری صلاحیت رکھنے والے عموماً وہ لوگ تھے جو دینی حلقوں میں قابل احترام شخصیتوں کے مالک تھے۔ وہ لوگ دربار نبوی کی نزاکتوں کو بھی سمجھتے تھے اور شاعری کے رموزو غوامض کو بھی مگر وہ نعت کی آواز اور اپنی عقیدت کا اظہار جان کر اس کی نمائش مستحسن نہ سمجھتے تھے۔ وہ خوف زدہ تھے مبادا یہ جذبہ ریاکاری کی زد میں آجائے۔ اس کے برعکس وہ اصحاب تھے جنھیں شعر اورجذبہ شعرکے تخلیقی اظہار پر قدرت حاصل نہ تھی یا ان کے ہاں جذبہ موجود تو تھا لیکن وہ اپنے اندر اس کے تخلیقی اظہار کی صلاحیت نہ پاتے تھے۔ بدقسمتی سے یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ ارادت کا اظہار شعر کے بغیر نہیں ہو سکتا، اس طرح ہر وہ شخص جو وزن و قوافی کی عامیانہ سی شد بد بھی رکھتا تھا، شعر کہنے لگا۔ عوام نے محبت سے انھیں سنا، اور یوں یہ شعوری کاوش جو زیادہ تر تصنع کے ذیل میں آتی گئی، مقبول ہوتی گئی۔ (نعت میں احترام رسالت کے تقاضے از ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی بحوالہ اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ، ڈاکٹر عبدالعزیز خان(عزیز احسن)، نعت ریسرچ سنٹر کراچی، مارچ ۲۰۱۳ء،)

۷۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: محسن کاکوروی از محمد حسن عسکری مشمولہ 'اردو نعت کی شعری روایت، مرتبہ صبیح رحمانی، اکادمی بازیافت، کراچی، ص ۲۰۱۶ء، ص ۳۰۰۔ ۲۷۵۔

۸۔ 'نعت رنگ' کا پہلا شمارہ اپریل ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا۔ اب تک اس کے تیس شمارے شائع ہو چکے ہیں۔

۹۔ اس کی تفصیل 'نعت رنگ' کے تیس شماروں میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ اس کا مختصر تذکرہ شفقت رضوی کی تصنیف 'نعت رنگ کا توضیحی مطالعہ میں پیش کی جاسکتی ہے۔

۱۰۔ مدیر' نعت رنگ' کا مؤقف جاننے کے لیے ملاحظہ فرمایئے: 'نعت رنگ' شمارہ نمبر ۲۷، دسمبر ۲۰۱۷ء، ص ۱۱

۱۱۔ 'نعت رنگ' شمارہ نمبر ۲۸، نومبر ۲۰۱۸ء، ص ۹

۱۲۔ 'نعت رنگ' شمارہ نمبر ۴، مئی ۱۹۹۷ء ص ۱۲

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ 'نعت رنگ' شمارہ نمبر ۲، دسمبر ۱۹۹۵ء، ص ۹

۱۵۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: 'نعت رنگ' شمارہ نمبر ۲۵، اگست ۲۰۱۵ء، ص ۴۷

۱۶۔ 'نعت رنگ' شمارہ نمبر ۲۳، اگست ۲۰۱۲ء، ص ۱۲

۱۷۔ 'نعت رنگ' شمارہ نمبر ۱۷، نومبر ۲۰۰۴ء، ص ۱۰

۱۸۔ ڈاکٹر سید محمد عقیل لکھتے ہیں: ''ہر سوسائیٹی اور ہر سماج کے مزاج اور مذاق کے ساتھ ہر دور کا جمالیاتی نظریہ بھی بدلتا جاتا ہے۔ اس طرح بغیر سماج کے ذوق اور پسند و ناپسند کے معیاروں کا تجزیہ کیے ہوئے صرف اصولی طور پر جمالیات کے کسی نظریے کی تجسیم و تدوین نہیں کی جاسکتی۔ (سماجی تنقید اور تنقیدی عمل، ڈاکٹر سید محمد عقیل، تہذیب نو پبلی کیشنز، الہ آباد، اپریل ۱۹۸۰ء، طبع اول، ص ۱۰)

۱۹۔ 'نعت رنگ' شمارہ نمبر ۲۶، دسمبر ۲۰۱۶ء، ص ۹

۲۰۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: 'نعت رنگ' شمارہ نمبر ۲۹، اکتوبر ۲۰۱۹ء، ص ۷

۲۱۔ 'نعت رنگ' شمارہ نمبر ۲۸، نومبر ۲۰۱۸ء، ص ۸

۲۲۔ 'نعت رنگ' شمارہ نمبر ۲۹، اکتوبر ۲۰۱۹ء، ص ۸

۲۳۔ مکتبی اور تہذیبی تنقید، وارث علوی، شعر و حکمت، حیدرآباد، شمارہ نمبر ۷۔ ۶، ص ۱۹۷

۲۴۔ ایضاً، ص ۱۹۴

۲۵۔ 'نعت رنگ' شمارہ نمبر ۱۷، نومبر ۲۰۰۴ء

۲۶۔ 'نعت رنگ' شمارہ نمبر ۴، مئی ۱۹۹۷ء، ص ۱۱

۲۷۔ 'نعت رنگ' شمارہ نمبر ۲۲، ستمبر ۲۰۱۱ء، ص ۱۶

۲۸۔ 'نعت رنگ' شمارہ نمبر ۲۶، دسمبر ۲۰۱۶ء، ص ۱۱

۲۹۔ 'نعت رنگ' شمارہ نمبر ۱۷، نومبر ۲۰۰۴ء، ص ۹

۳۰۔ 'نعت رنگ' شمارہ نمبر ۲۸، نومبر ۲۰۱۸ء، ص ۱۰

۳۱۔ ایضاً، ص ۸

۳۲۔ ایضاً، ص ۱۰۔۹

۳۳۔ 'نعت رنگ' شمارہ نمبر ۱۶، ص ۸

۳۴۔ اردو نعت کے جدید اسالیب، ڈاکٹر عزیز احسن، فضلی سنز لمیٹڈ، کراچی، دسمبر ۱۹۹۸ء، بیک فلیپ

۳۵۔ فن اداریہ نویسی اور نعت رنگ، ڈاکٹر افضال احمد انور، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، ۱۲/مارچ ۲۰۱۰ء، ص ۱۳۵

۳۶۔ دیکھیے: ڈاکٹر وزیر آغا کا انٹرویو: مصاحبین، ڈاکٹر رشید امجد، جمیل آذر، انجم نیازی، مشمولہ سہ ماہی ادبیات، اسلام آباد، ۱۹۹۴ء، جلد ۷، شمارہ ۳۰۔ ۲۷، ص ۴۱۹۔ ۴۰۰

۳۷۔ 'نعت رنگ' شمارہ نمبر ۲۵، اگست ۲۰۱۵ء، ص ۴۸۔ ۴۷